رجب المرجب/شعبان المعظم 1445ھ فروری 2024ء
جلد:03
شمارہ:02
ماہنامہ
خواتین
ویب ایڈیشن

سانپ، بچھو وغیرہ موذیات سے حفاظت کا عمل

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّۃِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ

ترجمہ: میں اللہ پاک کے کامل کلمات کے وسیلے سے ساری مخلوق کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

صبح اور شام تین تین بار پڑھئے۔

فضیلت: سانپ، بچھو وغیرہ موذیات سے پناہ حاصل ہو۔

(الوظیفۃ الکریمہ، ص14)
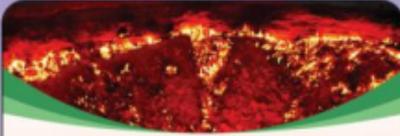
گناہ سے حفاظت کا وظیفہ

سُورَۃُ الْاِخْلَاص 11 بار صبح پڑھئے۔

فضیلت: اگر شیطان مع اپنے لشکر کوشش کرے کہ اس سے گناہ کرائے نہ کرا سکے جب تک کہ یہ خود نہ کرے۔

(الوظیفۃ الکریمہ، ص21)

نوٹ: ہر وظیفہ کے اوّل آخر ایک ایک بار دُرُود شریف پڑھنا ہے۔

شبِ براءت میں مغرب کے بعد چھ نوافل

شعبانُ المُعَظَّم کی پندرھویں رات یعنی شبِ براءت میں بزرگانِ دین کے معمولات میں سے یہ بھی ہے کہ مغرب کے فرض وسنَّت وغیرہ کے بعد چھ رَکعت نفل دو دو رَکعت کر کے ادا کئے جائیں۔ پہلی دو رَکعتوں سے پہلے یہ نیت کیجئے: "یااللہ پاک ان دو رَکعتوں کی برکت سے مجھے درازیٔ عمر بالخیر عطا فرما۔" دوسری دو رَکعتوں میں یہ نیت فرمائیے: "یااللہ پاک ان دو رَکعتوں کی بَرَکت سے بلاؤں سے میری حفاظت فرما۔" تیسری دو رَکعتوں کے لئے یہ نیت کیجئے: "یااللہ ان دو رَکعتوں کی برکت سے مجھے اپنے سوا کسی کا محتاج نہ کر۔" ان 6 رَکعتوں میں سُورۃُ الفاتحہ کے بعد جو چاہیں وہ سورتیں پڑھ سکتے ہیں، چاہیں تو ہر رَکعت میں سُورۃُ الفاتحہ کے بعد تین تین بار سُورۃُ الاِخْلَاص پڑھ لیجئے۔ نیز ہر دو رَکعت کے بعد اِکیس بار سُورۃُ الاِخْلَاص (پوری سورت) یا ایک بار سُورۂ یٰسٓ شریف پڑھئے بلکہ ہو سکے تو دونوں ہی پڑھ لیجئے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی ایک اسلامی بھائی بلند آواز سے یٰسٓ شریف پڑھے اور دوسرے خاموشی سے خوب کان لگا کر سنیں۔ اس میں یہ خیال رہے کہ سننے والا اِس دَوران زَبان سے یٰسٓ شریف بلکہ کچھ بھی نہ پڑھے اور یہ مسئلہ خوب یاد رکھئے کہ جب قراٰنِ کریم بلند آواز سے پڑھا جائے تو جو لوگ سننے کیلئے حاضر ہیں اُن پر فرضِ عین ہے کہ چُپ چاپ خوب کان لگا کر سُنیں۔ اِن شآءَ اللہ رات شروع ہوتے ہی ثواب کا اَنبار لگ جائے گا۔ ہر بار یٰسٓ شریف کے بعد "دُعائے نصف شعبان" بھی پڑھئے۔ (آقا کا مہینا، ص15)

نوٹ: دعائے نصف شعبان امیرِ اہلِ سنّت دامت برکاتہم العالیہ کے رسالے "آقا کا مہینا" میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ یہ رسالہ مکتبۃ المدینہ سے حاصل کیجئے یا اس کیو آر کوڈ کو اسکین کر کے ڈاؤن لوڈ کیجئے۔

فہرست

چیف ایڈیٹر

مولانا ابو الابصار قادری عطاری

سینئر معاون

مولانا ابو زین العابدین عطاری مدنی

ڈیزائنر

ابو محمد عطاری

شرعی تفتیش: مولانا مفتی محمد انس رضا عطاری مدنی
دار الافتاء اہلِ سنت (دعوتِ اسلامی)

تاثرات (Feedback) کے لئے اپنے تاثرات، مشورے اور تجاویز نیچے دیئے گئے ای میل ایڈریس اور (صرف تحریری طور پر) واٹس ایپ نمبر پر بھیجئے:

mahnamahkhawateen@dawateislami.net

پیش کش: شعبہ ماہنامہ خواتین المدینۃ العلمیۃ (اسلامک ریسرچ سینٹر) دعوتِ اسلامی

WhatsApp 0348-6422931

مناجات

گناہوں سے مجھ کو بچا یاالٰہی

گناہوں سے مجھ کو بچا یاالٰہی
بُری عادتیں بھی چُھڑا یاالٰہی

خطاؤں کو میری مِٹا یاالٰہی
مجھے نیک خَصلت بنا یاالٰہی

تجھے واسِطہ سارے نبیوں کا مولیٰ
مِری بخش دے ہر خطا یاالٰہی

غمِ مصطفےٰ دے غمِ مصطفےٰ دے
ہو دردِ مدینہ عطا یاالٰہی

تجھے واسِطہ سیّدہ آمِنہ کا
بنا عاشِقِ مصطفےٰ یاالٰہی

مجھے مال و دولت کی آفت نے گھیرا
بچا یاالٰہی بچا یاالٰہی

تُو عطّار کو چشمِ نَم دے کے ہر دَم
مدینے کے غم میں رُلا یاالٰہی

از: امیرِ اہلِ سنت دامت برکاتہم العالیہ

وسائلِ بخشش (مُرمَّم)، ص100

نعت

وہ سَرورِ کِشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے

وہ سَرورِ کِشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طَرَب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رَچی تھی شادی مچی تھی دُھومیں
اُدھر سے اَنوار ہنستے آتے اِدھر سے نَفَحات اُٹھ رہے تھے

خدا ہی دے صبر جانِ پُرغم دِکھاؤں کیوں کر تجھے وہ عالَم
جَب اُن کو جُھرمٹ میں لے کے قُدسی جِناں کا دولھا بنا رہے تھے

نمازِ اَقصیٰ میں تھا یہی سِرّ عیاں ہو معنیِ اوّل آخر
کہ دَست بَستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

خدا کی قدرت کہ چاند حق کے کروروں منزل میں جلوہ کرکے
ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ نور کے تڑکے آ لیے تھے

نبیِّ رحمت شفیعِ اُمّت! رضاؔ پہ لِلّٰہ ہو عنایت
اسے بھی ان خلعتوں سے حصہ جو خاص رَحمت کے واں بٹے تھے

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبولِ سرکار ہے تمنّا
نہ شاعری کی ہَوَس نہ پروا رَوِی تھی کیا کیسے قافیے تھے

از: امامِ اہلِ سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ

حدائقِ بخشش، ص229

پیغامِ بنتِ عطار

63 نیک اعمال

نیک عمل نمبر 15

اللہ پاک کا فرمان ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ (پ28، الحشر:18) ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ یعنی دل میں خوفِ خدا پیدا کرو اور اس کی اطاعت کرو۔ مزید ارشاد ہوتا ہے: وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ (پ28، الحشر:18) ترجمہ: اور ہر جان دیکھے کہ اس نے کل کے لیے آگے کیا بھیجا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے لئے کیا عمل کیا؟ صدقہ کرو اور نیک اعمال کرو تاکہ قیامت کے دن ان کا اجر پاؤ اور اپنے رب سے ڈرتے رہو۔ اللہ پاک تمہاری ہر اچھی اور بُری بات کو جانتا ہے۔ قیامت کے دن فرشتے، زمین، آسمان، روز و شب تمام گواہی دیں گے کہ آدم زادے نے یہ کام بھلائی کا کیا یا بُرائی کا، فرمانبرداری کی یا نافرمانی، حتی کہ انسان کے اپنے اعضا بھی اس کے خلاف گواہی دیں گے۔ ایمان دار، متقی وپرہیز گار انسان کے حق میں زمین گواہی دے گی اور کہے گی: اس انسان نے میری پیٹھ (Back) پر نماز پڑھی، روزہ رکھا، حج کیا اور جہاد کیا۔ یہ سن کر متقی شخص خوش ہوگا اور کافر و نافرمان کے خلاف زمین گواہی دیتے ہوئے یوں کہے گی: اس نے میری پیٹھ پر شرک کیا، بدکاری کی، شراب پی اور حرام کھایا، اب اس کے لئے ہلاکت وبربادی ہے۔[1] اگر اللہ پاک نے ان کی گواہی پر سخت پکڑ فرمائی تو ہمارا کیا بنے گا! کیونکہ ہم تو سارا وقت نافرمانی کے کام کرتی ہیں، ہم تو آخرت کے معاملات سے غافل ہو کر دنیا اور دنیاداری میں کھو کر سب کچھ بھول چکی ہیں۔ حالانکہ ہمارے بزرگ ہر وقت خوفِ خدا میں مبتلا رہتے اور اللہ پاک کے خوف سے کانپتے تھے۔ جیسا کہ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک دن ایک تنکا پکڑ کر فرمایا: کاش! میں ایک تنکا ہوتا! میں کوئی قابلِ ذکر چیز نہ ہوتا! کاش! میری ماں مجھے پیدا نہ کرتی! خوفِ خدا سے آپ اس قدر روتے کہ آپ کے چہرے پر آنسوؤں کے بہنے کی وجہ سے دو سیاہ نشان پڑ گئے تھے۔[2]

خوفِ خدا کے حصول کا ایک ذریعہ چونکہ ہر حال میں اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا بھی ہے۔ لہٰذا امیرِ اہلِ سنت دامت برکاتہم العالیہ نے ہمیں اطاعت و فرمانبرداری کی عادی بنانے کے لئے 63 نیک اعمال کے رسالے میں سوال نمبر 15 یہ عطا فرمایا ہے کہ

کیا آج آپ نے عالمی مجلسِ مشاورت کے اصولوں کے مطابق اپنی نگران کی اطاعت کی؟ (فرمانِ امیرِ اہلِ سنت دامت برکاتہم العالیہ شریعت کی اجازت ہونے کی صورت میں شوریٰ کی اطاعت میری اطاعت شوریٰ کی نافرمانی میری نافرمانی ہے۔ (شعبہ اصلاحِ اعمال)

اس سوال میں ایک حکمت تو یہی ہے کہ ہم شریعت کی تحت رہتے ہوئے ہر طرح کے نیک کاموں پر عمل کی عادی ہو جائیں اور نیکی کی دعوت کے سفر کو جاری رکھنے والیوں کے ساتھ کھڑی رہیں۔ اس کا سب سے بنیادی اور اہم طریقہ یہی ہے کہ ہم اطاعت کی عادی بن جائیں۔ کسی کے حکم پر لَبَّیْکَ کہتے ہوئے اللہ پاک کی رضا کی خاطر اس کی بات ماننا اطاعت کہلاتا ہے اور ہمارے دین نے ہمیں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بات ماننے کے علاوہ ان لوگوں کی بات ماننے کا بھی حکم دیا ہے جو ہمارے معاملات کے نگہبان ہوتے ہیں۔ چنانچہ

بچوں پر اپنے والدین کا حکم ماننا، بیوی پر شوہر کا حکم ماننا، شاگرد پر استاذ کا حکم ماننا، مرید پر پیر کا حکم ماننا اور رعایا پر بادشاہ کا حکم ماننا لازم وضروری ہے۔ اسی طرح وہ افراد جو اپنے اپنے فن کے ماہر یا اپنی اپنی فیلڈ اور شعبہ جات کے ذمہ دار ہوں ان کی بات ان سے متعلق لوگوں پر ماننا بھی لازم وضروری ہے، مثلاً دل کے مریض پر لازم ہے کہ وہ دل کی بیماری کے لئے صرف ہارٹ اسپیشلسٹ سے رجوع کرے اور صرف اسی کی بات مانے، کسی ڈینٹسٹ یعنی دانتوں کے ڈاکٹر سے علاج نہ کروائے، سونے چاندی سے متعلق کوئی معاملہ ہو تو اس کے لئے سنار سے ہی رابطہ کیا جائے کسی لوہار سے نہیں۔

اسی طرح آپس کے معاملات کی دیکھ بھال یا دفاتر وغیرہ میں انتظامی معاملات دیکھنے کے لئے بعض افراد کو ذمہ دار بنا دیا جاتا ہے، لہٰذا ان کے ماتحت افراد پر لازم ہے کہ وہ ان خاص معاملات وغیرہ میں انہی کی طرف رجوع کریں اور وہ اس معاملے میں جو بھی کہیں ان کی بات مانی جائے، کیونکہ اگر کسی عام سے آفس یا دکان میں ہی اس آفس اور دکان سے متعلق افراد کو اپنی اپنی من مانیاں کرنے کی اجازت دے دی جائے اور جس کے جی میں جو آئے وہی کرے تو وہ آفس اور دکان بند ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ چنانچہ

کسی بھی ادارے کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ کسی نہ کسی ایسے فرد یا بورڈ کے تحت ہو جو اس ادارے کے انتظامات کو بہتر سے بہترین بنانے کے لئے ہر دم کوشش کرے اور اس ادارے کے تمام افراد اس فرد یا بورڈ کے بنائے گئے اصول و قواعد پر آنکھیں بند کر کے عمل کریں۔ البتہ! جب اس ادارے سے منسلک لوگ ادارے سے باہر ہوں یعنی گھر پر ہوں تو کوئی بھی ادارہ انہیں اس بات پر مجبور نہیں کرتا کہ وہ ادارے سے باہر یا اپنے گھر میں بھی ادارے کے بتائے گئے اصول و قوانین پر عمل کریں۔

یاد رہے! تعلیم و تربیت مہیا کرنے والے ادارے اپنے افراد کو زندگی گزارنے کے ڈھنگ اور طریقے ہی سکھاتے ہیں کہ گھر پر کیسے رہنا چاہئے، دوسروں کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہئے وغیرہ۔ اگر وہاں زندگی کو سنوارنے والی جو باتیں سکھائی جاتی ہیں ان پر عمل نہ کیا جائے تو پھر ان اداروں کی تعلیم و تربیت پر اعتراض کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ چنانچہ امیرِ اہلِ سنت دامت برکاتہم العالیہ جو یقیناً ایک تجربہ کار شخصیت ہیں، انہوں نے اس ساری صورتِ حال کو پہلے ہی بھانپ لیا اور ہمیں دعوتِ اسلامی کے دینی ماحول میں حاصل ہونے والی تربیت کی عادی بنانے کے لئے یہ اہم بات سمجھا دی کہ ہماری ذمہ دار اور نگران جب بھی نیکی کی دعوت کو عام کرنے سے متعلق کوئی بات کہے یا پھر ہمیں نیکیاں کرنے اور گناہوں سے بچنے سے متعلق کسی قسم کی ترغیب دلائے یا اس حوالے سے اسے ہماری مدد درکار ہو تو ہم ہمیشہ اس کی پکار پر لَبَّیْکْ کہیں اور کبھی بھی عاشقانِ رسول کی دینی تحریک دعوتِ اسلامی کے دینی کاموں سے منہ نہ موڑیں، بلکہ اطاعت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں، کیونکہ اگر کسی تنظیم سے وابستہ لوگ اپنے ذمہ داران کی ہدایات کو مانیں، نہ ان کی اطاعت کریں تو وہ تنظیم آہستہ آہستہ ختم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر ہر کوئی اپنی سمجھ کے مطابق کام کرے تو اس کا نقصان بھی اجتماعی طور پر تحریک کو ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی بھی تنظیم کی ترقی اور بقا کے لیے اطاعت ضروری ہے۔ چنانچہ اپنا یہ ذہن بنالیجئے کہ دعوتِ اسلامی ہماری اپنی تحریک ہے اور ہم ہر وقت دینی کام کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہماری ذمہ دار جو بھی جائز کام دیں گی اِن شاءَ اللہ اُسے پورا کرنے کی کوشش کریں گی کہ اطاعت میں برکت ہے۔ اطاعت کی وجہ سے دینی کاموں میں ترقی ہوگی، ذمہ دار کا دل خوش ہوگا اور پیر و مرشد بھی راضی ہوں گے کہ جن کی رضا سے ہمارا بیڑا پار ہو جائے گا۔

---

1 مکاشفۃ القلوب، ص9

2 مکاشفۃ القلوب، ص12

نیکیوں میں آگے بڑھو

اُمِّ حبیبہ عطاریہ مدنیہ
معلمہ جامعۃ المدینہ گرلز فیضانِ اُمِّ عطار
گلبہار سیالکوٹ

اللہ پاک فرماتا ہے: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۣ (پ2، البقرۃ:148)
ترجمہ: تو تم نیکیوں میں آگے نکل جاؤ۔

یعنی اللہ پاک کی عبادت و فرمانبرداری اور دین کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ یہاں آیتِ مبارکہ میں ایک بڑی ہی پیاری بات سمجھائی گئی ہے کہ مال و دولت، عہدہ و منصب، شہرت و مقبولیت اور دنیا داری ایسی چیز نہیں کہ اس میں ایک دوسرے سے مقابلہ کیا جائے بلکہ یہ تو آزمائش اور صرف دنیاوی زندگی کی زینت، دھوکے کا سامان اور فنا ہونے والی کمائی ہے، جبکہ باقی رہنے والی اور مقابلے کے قابل چیز تو اللہ پاک کی عبادت، اس کی اطاعت، جنت اور اس کی رضا ہے جس کی طرف اللہ پاک نے بار بار بلایا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت میں نیکیوں میں مقابلے اور سبقت لے جانے کے کئی نظارے دیکھے جاسکتے ہیں۔[1]

صحابہ کرام کے نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے چند واقعات پیشِ خدمت ہیں:

حضرت اَبی بَکْرَہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حُضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا اور آپ نے میرا ہاتھ تھاما ہوا تھا، ایک اور صحابی آپ کے الٹی جانب تھے۔ اسی دوران ہم نے اپنے سامنے دو قبریں پائیں تو حضور نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے معاملے کی وجہ سے نہیں ہو رہا۔ تم میں سے کون ہے جو مجھے ایک ٹہنی لادے؟ ہم نے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو میں آگے نکل گیا اور ایک شاخ لے کر حاضرِ خدمت ہو گیا۔ حضور نے اس کے دو ٹکڑے کر کے دونوں قبروں پر ایک ایک رکھا اور ارشاد فرمایا: یہ جب تک تر رہیں گے ان پر عذاب میں کمی رہے گی۔ اس کے بعد حضور نے ان دونوں کے عذاب میں مبتلا ہونے کی یہ وجہ ارشاد فرمائی کہ انہیں غیبت اور پیشاب کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔[2]

معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم جب بھی کوئی کام ارشاد فرماتے تو صحابہ کرام کی کوشش ہوتی کہ وہ سب سے پہلے اس کام کو سر انجام دیں، مگر اس حوالے سے حضرت ابو بکر صدیق وہ فردِ واحد ہیں جنہوں نے کبھی بھی کسی نیکی کے کام میں کسی کو خود سے آگے نہیں بڑھنے دیا، حالانکہ کئی صحابہ کرام کی ان سے نیکیوں میں آگے بڑھنے کی کوشش رہی، بالخصوص فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے اس حوالے سے تو کئی واقعات بھی مروی ہیں۔ مثلاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک میں گھر کا آدھا مال خیرات کرنے کے لئے لائے تو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال لے آئے۔[3]

اس کی ایک مثال اس روایت میں بھی ملتی ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے نمازِ فجر سے فارغ ہو کر ارشاد فرمایا: آج کس نے روزہ رکھا ہے؟ تو سوائے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کسی نے بھی روزہ نہ رکھا تھا۔ پھر حضور نے پوچھا: آج کس نے مریض کی عیادت کی ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم! ابھی تو ہم نماز سے فارغ ہوئے ہیں اور مسجد سے باہر بھی نہیں نکلے، مریض کی عیادت کیسے کرتے؟ اس پر بھی صدیقِ اکبر نے عرض کی: اے اللہ پاک کے نبی! میرے بھائی حضرت عبدُ الرحمن بن عوف بیمار ہیں، آج خیریت پوچھنے کے لئے میں

پہلے ان کے گھر گیا اور وہیں سے مسجد آگیا۔ پھر حضور نے پوچھا: آج راہِ خدا میں صدقہ کس نے دیا ہے؟ فاروقِ اعظم نے عرض کی: یارسولَ اللہ! نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد سے اب تک ہم آپ کی بارگاہ میں موجود ہیں، اس صورت میں ہمارا صدقہ کرنا کیسے ممکن ہے؟ مگر صدیقِ اکبر نے عرض کی: یا رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم! میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کی عیادت کرکے مسجد پہنچا تو ایک فقیر مانگ کر رہا تھا، میرے ساتھ میرا پوتا (یا بیٹا) بھی تھا جس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا میں نے اس سے لے کر اسے دے دیا۔ یہ سن کر حضور نے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے دو بار فرمایا: تمہیں جنت کی خوشخبری ہو۔ حضرت عمر کے دل سے ایک حسرت بھری آہ نکل گئی (کہ افسوس! میں یہ اعمال نہ کر سکا) تو حضور نے ان سے ارشاد فرمایا: اے اللہ! عمر پر بھی رحمت نازل فرما۔ یہ پیاری دعا سن کر حضرت عمر فاروق خوشی سے جھوم اٹھے اور اس بات کا اظہار و اقرار فرمایا کہ میں نے جب بھی کسی بھلائی میں ابو بکر سے بڑھنا چاہا تو وہ مجھ سے آگے نکل گئے۔[4]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نیکیوں میں سبقت لے جانے کی یہ عادت اتنی پکی تھی کہ حضور کے بعد جب آپ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ بنے تو بھی ہمیشہ دوسروں سے بڑھ کر نیکیاں کرنے کا جذبہ سلامت رہا، جیسا کہ منقول ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ رات کے وقت مدینے کے کسی محلے میں رہنے والی ایک نابینا بوڑھی عورت کے گھریلو کام کاج کر دیا کرتے تھے، آپ اس کے لیے پانی بھر کر لاتے اور اس کے تمام کام سرانجام دیتے۔ ایک بار معمول کے مطابق بڑھیا کے گھر آئے، دیکھا کہ ان کے سارے کام پہلے ہی کوئی کر گیا تھا! دوسرے دن تھوڑا جلدی آئے تو بھی وہی صورتِ حال تھی کہ سب کام پہلے ہی ہو چکے تھے۔ جب دو تین دن ایسا ہوا تو آپ کو بہت تشویش ہوئی کہ ایسا کون ہے جو مجھ سے نیکیوں میں پہل کر جاتا ہے! ایک دن آپ دن میں ہی آکر کہیں چھپ گئے، رات ہوئی تو دیکھا کہ خلیفۂ وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اس نابینا بڑھیا کے سارے کام کر دیئے۔ آپ بڑے حیران ہوئے کہ خلیفہ وقت ہونے کے باوجود ایسی انکساری! ارشاد فرمایا: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تو ہیں جو مجھ سے نیکیوں میں آگے رہتے ہیں۔[5] بہر حال مسلمانوں کے پہلے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح ہمیں بھی ہر لمحہ نیکیوں میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے اور حضور کا یہ فرمان ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ اللہ پاک کے کچھ بندے ایسے ہیں جنہیں اللہ پاک جنت کے بلند مقام پر فائز فرمائے گا اور وہ لوگوں میں سب سے زیادہ عقل مند ہیں۔ عرض کی گئی: وہ لوگ سب سے زیادہ عقل مند کیسے ہیں؟ ارشاد فرمایا: وہ اللہ کی بارگاہ میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتے اور ان اعمال کو کرنے میں جلدی کرتے ہیں جو رحمٰن کی رضا کا باعث ہیں، وہ دنیائے فانی، اس کی سرداری اور (دُنیاوی) نعمتوں سے بے رغبتی کرتے ہیں، دُنیا ان کے نزدیک ذلیل و حقیر ہے اور وہ تھوڑی تکلیف برداشت کرکے لمبا آرام حاصل کرتے ہیں۔[6]

افسوس! بسا اوقات ہم نیکیوں میں پہل تو کر لیتی ہیں مگر ان نیکیوں کی حفاظت نہیں کر پاتیں، بلکہ انہیں ضائع کر دیتی ہیں۔ کیونکہ ہم نیکیاں تو کر لیتی ہیں، نیکیوں میں آگے بڑھنے کی بھی کوشش کرتی ہیں، لیکن زبان کے غلط استعمال سے وہ نیکیاں ضائع کر بیٹھتی ہیں، مثلاً کسی کی غیبت کر دی، کسی پر تہمت لگا دی یا کسی کا دل دکھانے کا سبب بن گئیں وغیرہ۔ حالانکہ یہ سب باتیں نیکیوں کا صفایا کر سکتی ہیں۔ اللہ پاک ہمیں نیکیوں میں پہل کرنے اور ان کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الاَمین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

---

1 تفسیر صراط الجنان، 1 / 236 2 مسند امام احمد، 7 / 304، حدیث: 20395
3 شرح زرقانی، 4 / 69 4 الریاض النضرۃ، 1 / 174 5 کنز العمال، الجزء: 12، 6 / 221، حدیث: 35602 6 مسند حارث، 2 / 814، حدیث: 844 ملخصاً

بنتِ کریم عطاریہ مدنیہ
معلمہ جامعۃ المدینہ گرلز خوشبوئے عطار واہ کینٹ

شرحِ حدیث

نمازِ ظہر و عصر کی فضیلت و اہمیت

نماز اگرچہ ہر مسلمان پر فرض ہے، مگر افسوس! مسلمانوں کی ایک تعداد نماز سے غافل نظر آتی ہے اور جو پڑھتے بھی ہیں تو ان میں بھی کئی ایسے ہیں جو پابندی سے نہیں پڑھتے۔ حالانکہ نماز کی اہمیت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ اللہ پاک نے باقی سب احکام تو اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے پاس زمین پر بھیجے، لیکن نماز کا تحفہ شبِ معراج عرشِ عظیم پر بلا کر عطا فرمایا۔ پچھلے شمارے میں نمازِ فجر کی اہمیت و فضیلت کے بارے میں ذکر کیا گیا تھا، آیئے! اب نمازِ ظہر و عصر کی فضیلت و اہمیت کے بارے میں بھی پڑھتی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسولِ پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: اگر لوگ جانتے کہ دوپہر کی نماز میں کیا ہے تو اس کی طرف دوڑ کر آتے۔[1] ایک اور مقام پر فرمایا: جس کی نمازِ عصر نکل گئی (یعنی جو جان بوجھ کر نمازِ عصر چھوڑے) اس کے اہل و عیال اور مال وتر ہوگئے (یعنی چھین لیے گئے)۔[2]

شرحِ حدیث

ظہر کا ایک معنی ہے: ظَہِیْرۃ (یعنی دوپہر) چونکہ یہ نماز دوپہر کے وقت پڑھی جاتی ہے، اس لئے اسے نمازِ ظہر کہا جاتا ہے۔ اور عصر کا معنی ہے: دن کا آخری حصّہ۔ چونکہ یہ نماز اِسی وقت میں ادا کی جاتی ہے اِس لئے اِس نماز کو عصر کی نماز کہا جاتا ہے۔[3] جبکہ وَتر کا معنٰی ہے: نقصان ہونا یا چھن جانا۔ تو جس کے بال بچے اور مال چھن گئے یا اس کا نقصان ہو گیا گویا وہ اکیلا رہ گیا۔ لہٰذا نماز کے فوت ہونے سے انسان کو اس طرح ڈرنا چاہیے جس طرح وہ اپنے گھر کے افراد اور مال و دولت کے جانے (یعنی برباد ہونے) سے ڈرتا ہے۔[4]

ہر نماز کی اپنی ایک اہمیت ہے اور اس کا ذکر قرآن و سنت میں بھی ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ نمازِ ظہر و عصر کے متعلق قرآنِ پاک میں ہے: وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا (پ16، طٰہٰ: 130) ترجمہ: اور سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتے رہو۔ یہاں سورج غروب ہونے سے پہلے پاکی بیان کرنے سے مراد ظہر و عصر کی نمازیں ادا کرنا ہیں۔[5]

نمازِ ظہر کی اہمیت

نمازِ ظہر کا وقت عام طور پر بالخصوص خواتین کے لیے کام کاج کی مصروفیت کا وقت ہوتا ہے۔ کیونکہ عموماً اس وقت گھر کی صفائی ستھرائی وغیرہ کے بعد خواتین تھک چکی ہوتی ہیں، اوپر سے بچوں کے اسکول سے واپس آنے اور ان کے لیے کھانا وغیرہ تیار کرنے کی مصروفیات بھی ہوتی ہیں۔ چنانچہ کئی خواتین نمازِ ظہر چھوڑ دیتی ہیں، حالانکہ انہیں چاہئے کہ جس طرح وہ ان کاموں کو اپنی روٹین کا حصہ بنا چکی ہیں نماز کو بھی اپنی زندگی کا لازمی حصہ بنالیں، بلکہ نماز کو دیگر تمام کاموں پر ترجیح دیں کہ اس کی برکت سے ان کاموں میں بھی آسانی ہوگی۔ حدیثِ

قُدسی میں اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: اے انسان! تو میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا! میں تیرا سینہ مالداری سے بھر دوں گا اور تیری غریبی دور کر دوں گا۔ اگر تو یہ نہ کرے گا تو تیرا ہاتھ کام کاج سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی بند نہ کروں گا۔[6] یعنی جو اللہ پاک کی عبادت میں لگ جاتا ہے اس کے دیگر کام خود بخود ہو جاتے ہیں اور رزق میں بھی برکت ہوتی ہے۔ جو صرف دنیا اور دنیاوی کاموں کے پیچھے ہی لگا رہے اس کے دنیا کے کام ختم ہوتے ہیں نہ رزق میں برکت ہوتی ہے۔

نمازِ عصر کی اہمیت

عصر کا وقت بھی کافی مصروفیت والا ہوتا ہے اور کئی خواتین کام کاج میں مصروفیت کی وجہ سے نمازِ عصر چھوڑ دیتی ہیں۔ حالانکہ اس نماز کی حفاظت کا خاص حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے: حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ (پ2، البقرۃ:238)

ترجمہ: تمام نمازوں کی پابندی کرو اور خصوصاً درمیانی نماز کی۔

بخاری شریف کی روایت کے مطابق یہاں نمازِ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے۔[7]

نمازِ عصر کی خاص تاکید شاید اس وجہ سے بھی ہے کہ علمائے کرام کے نزدیک سب سے افضل نمازِ عصر ہے۔[8] اسی لیے ہمارے بزرگانِ دین اس نماز کا خوب اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ جیسا کہ عارف باللہ حضرت ابو العباس حَرَنِّی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منقول ہے کہ آپ نمازِ عصر کی تیاری اس وقت سے شروع کر دیتے جب ظہر کا وقت ختم ہونے میں 40 منٹ باقی ہوتے۔ آپ کی تیاری کا طریقہ یہ ہوتا کہ نگاہیں جھکائے مراقبے میں مشغول ہو جاتے اور وسوسوں سے اِستغفار کرتے رہتے۔ ایسا اس لیے کرتے تاکہ آپ پر عصر کا وقت اس حالت میں آئے کہ بارگاہِ الٰہی میں حاضری سے آپ کے سامنے کوئی رکاوٹ نہ ہو۔[9]

نمازِ فجر و عصر چونکہ سورج نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے ادا کی جاتی ہیں یعنی ایک نماز رات کے اختتام کے وقت ادا کی جاتی ہے تو دوسری دن کے اختتام کے وقت لہٰذا ان کی اپنی اپنی جگہ بہت اہمیت ہے، جیسا کہ حضرت عُمارہ بن رُوَیبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا: جس نے سورج کے طلوع و غروب ہونے (یعنی نکلنے اور ڈوبنے) سے پہلے کی نماز (یعنی نمازِ فجر و عصر) ادا کی وہ ہرگز جہنم میں داخل نہ ہو گا۔[10] اسی طرح ایک روایت میں ہے: تم میں رات اور دن کے فرشتے باری باری آتے ہیں اور فجر و عصر کی نمازوں میں جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ فرشتے جنہوں نے تم میں رات گزاری ہے اوپر کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اللہ پاک جاننے کے باوجود ان سے پوچھتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ عرض کرتے ہیں: ہم نے انہیں نماز پڑھتے چھوڑا اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔[11] اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ فرشتے نمازیوں کی پردہ پوشی کرتے ہیں کہ آس پاس کی نیکیوں کا ذکر اور درمیان کے گناہوں سے خاموشی یا یہ مطلب ہے کہ اے مولا! جن بندوں کی ابتدا و انتہا ایسی ہو اس میں ہمیشہ برکت ہی رہتی ہے۔[12] جو لوگ کسی بھی وجہ سے نماز چھوڑ دیتے ہیں انہیں یہ روایت یاد رکھنی چاہئے کہ جو نماز کی حفاظت کرے اس کے لیے نماز بروزِ قیامت نور، دلیل اور نجات ہو گی اور جو اس کی حفاظت نہ کرے اس کے لیے روزِ قیامت نہ نور ہو گا، نہ دلیل اور نہ ہی نجات اور وہ قیامت کے دن فرعون، قارون، ہامان اور اُبَی بن خلف کے ساتھ ہو گا۔[13] بے نمازی کو ان چاروں کے ساتھ اس لیے اٹھایا جائے گا کہ لوگ عموماً دولت، حکومت، وزارت اور تجارت کی وجہ سے نماز کو چھوڑ دیتے ہیں۔[14]

نیک اور نمازوں کی پابند بننے کے لیے دعوتِ اسلامی کے دینی ماحول سے عملی طور پر وابستہ ہو جائیے۔ نیکوں کی صحبت اختیار کیجیے اور اپنے روزمرہ اعمال کا جائزہ لیجیے، نیز نیک کام کرنے گناہوں سے بچنے پر اپنے رب کا شکر ادا کیجئے۔ اللہ پاک ہمیں نمازوں کی پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الاَمین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

---

(1) بخاری، 1/224، حدیث: 552 (2) بخاری، 1/202، حدیث: 615 (3) شرح مشکل الآثار، 3/31 (4) اکمال المعلم، 2/590، تحت الحدیث: 200 (5) تفسیر نسفی، ص 707 (6) مشکوۃ المصابیح، 2/245، حدیث: 5172 (7) بخاری، 4/216، حدیث: 6396 (8) فیض القدیر، 2/53، تحت الحدیث: 1273 (9) لواقح الانوار، ص 492 (10) مسلم، ص 250، حدیث: 1436 (11) بخاری، 1/203، حدیث: 555 (12) مراۃ المناجیح، 1/395 (13) مجمع الزوائد، 2/21، حدیث: 1611 (14) کتاب الکبائر، ص 21

میدانِ محشر میں جسمانی اعضا کی حالت (قسط20)

گردنوں کی حالت قیامت کے دن مختلف لوگوں کی گردنوں میں مختلف قسم کے طوق ہوں گے جن کی وجہ سے معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے دنیا میں کیسے کام کئے تھے۔ مثلاً☆ ضرورت سے زائد چیز رشتے داروں کو نہ دینے والی کی حالت کے متعلق مروی ہے کہ جو ذی رحم رشتہ دار اپنے ذی رحم رشتہ دار کے پاس جاکر اس اضافی چیز کا سوال کرے جو اللہ پاک نے اسے عطا کی ہے، پھر وہ اس کو دینے میں کنجوسی کرے تو اللہ کریم اس کے لیے جہنم سے ایک سانپ ظاہر کرے گا، جس کو شُجاع کہا جاتا ہے، وہ اس کنجوس کے منہ میں زبان پھیرے گا، پھر اس سانپ کو اس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔[1]

اسی طرح☆ جس نے ظلم کر کے ناحق کسی کی بالشت بھر زمین بھی لی ہو گی بروزِ قیامت ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا[2]۔[3]☆ جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا بروزِ قیامت اس کے مال کو ایک گنجے سانپ کی صورت میں کر دیا جائے گا حتی کہ اسے اس کی گردن کا طوق بنا دیا جائے گا۔[4]☆ جس نے کوئی چیز چوری کی تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کی گردن میں آگ کا طوق ہو گا۔[5]

یاد رہے! قیامت کے دن صرف مجرم ہی اپنی گردنوں میں طوق کی وجہ سے نہیں پہچانے جائیں گے بلکہ اذان دینے والے لوگ بھی اپنی لمبی گردنوں کے ذریعے پہچانے جائیں گے۔[6]

زبانوں کی حالت ☆ قیامت کے دن گرمی کی حالت میں پیاس کے باعث لوگوں کی زبانیں سوکھ کر کانٹا ہو جائیں گی۔ دل اُبل کر گلے تک آجائیں گے اور گناہ گار کو اس کے گناہوں کی مقدار کے برابر تکلیف میں مبتلا کیا جائے گا۔[7]☆ جو دو زبانوں والا ہو گا اللہ پاک آگ سے اس کی دو زبانیں بنائے گا۔[8]☆ قیامت کے دن سب سے زیادہ حسرت وافسوس بندہ اپنی زبان پر کرے گا۔[9]

قدموں کی حالت ☆ بروزِ قیامت قدم یوں ہوں گے جیسے سینگ میں تیر پھنسا ہوتا ہے، خوش نصیب تو وہ ہو گا جسے دو قدم رکھنے کی جگہ مل جائے۔[10]☆ وضو میں پاؤں کی ایڑیوں کو نہ دھونے کے متعلق مروی ہے کہ قیامت کے دن ایسی (خشک) ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہے۔[11]

اسی طرح جو پانی سے اپنی انگلیوں کا خلال نہیں کرتا اللہ پاک بروزِ قیامت آگ سے ان کا خلال کروائے گا[12]۔[13]

دلوں کی حالت: قیامت کے دن دلوں کی حالت کیا ہو گی، اس کے متعلق قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔ چند آیات تفسیر کے ساتھ پڑھئے۔ چنانچہ

کلیجے منہ کو آجائیں گے اللہ پاک کا فرمان ہے: وَ اَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِیْنَ۬ؕ (پ24، المومن:18) ترجمہ: اور انہیں قریب آنے والی آفت کے دن سے ڈراؤ، جب دل گلوں کے پاس آجائیں گے۔ یعنی اے حبیب! آپ کفارِ مکہ کو قیامت کے دن سے ڈرائیں جس کی ہولناکی کا یہ حال ہے کہ اس دن دل گلوں کے پاس آجائیں گے اور خوف کی شدت کی وجہ سے باہر نہ نکل سکیں گے تا کہ مر کر کچھ راحت پالیں اور نہ اندر اپنی جگہ واپس جاسکیں گے تا کہ انہیں راحت نصیب ہو اور لوگوں کا حال یہ ہو گا کہ وہ غم میں بھرے ہوں گے۔[14]

پارہ 18 سورۂ نور کی آیت نمبر 37 میں ہے: یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ ترجمہ: وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل

الٹ جائیں گے۔ یعنی شدتِ خوف اور اِضطراب سے دل اُلٹ کر گلے تک چڑھ جائیں گے، نہ باہر نکلیں، نہ نیچے اُتریں اور آنکھیں اُوپر چڑھ جائیں گی۔[15]

مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا انکار کرنے والے کفار کا اس دن یہ حال ہو گا کہ بُرے اعمال کی وجہ سے ان کے دل خوفزدہ ہوں گے۔[16]

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے: **مُهْطِعِیْنَ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِهِمْ لَا یَرْتَدُّ اِلَیْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَ اَفْـٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ؕ۝۴۳** (پ13، ابراہیم:43)

ترجمہ: لوگ بے تحاشا اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے دوڑتے جارہے ہوں گے، ان کی پلک بھی ان کی طرف نہیں لوٹ رہی ہو گی اور ان کے دل خالی ہوں گے۔ تفسیر مظہری میں اس آیت میں لوگوں کے دلوں کی حالت کی وضاحت کچھ یوں کی گئی ہے کہ ان کے دل بالکل بدحواس ہوں گے یعنی انتہائی ڈر اور حیرت کی وجہ سے ان کے دل سمجھ وعقل سے خالی ہو جائیں گے۔ بیوقوف آدمی کے متعلق کہا جاتا ہے: اس کا دل (سمجھنے سے) خالی (یعنی کھوکھلا) ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہُ عنہ فرماتے ہیں: ان کے دل سینوں سے نکلنے لگیں گے اور حلق میں آکر اٹک جائیں گے، نہ منہ سے باہر آئیں گے نہ اپنی جگہ پر لوٹیں گے۔ پس دل ہوا ہو جائیں گے یعنی ان کے اندر کچھ نہ ہو گا۔ آسمان و زمین کے درمیانی خلا کو اسی وجہ سے ہوا کہا جاتا ہے۔ حضرت سعید بن جُبَیر رضی اللہُ عنہ نے اس کی تفسیر یوں بیان کی ہے کہ ان کے دل بے تاب اور بے قرار ہوں گے، کسی جگہ ان کو قرار نہ ہو گا۔ جبکہ امام بغوی نے لکھا ہے: اصل مطلب یہ ہے کہ دل اپنی جگہ سے ہٹ چکے ہوں گے۔[17]

تفسیرِ قرطبی میں ہے کہ خوف کی شدت کی وجہ سے وہ کوئی فائدہ نہ دیں گے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہُ عنہما فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی خیر و بھلائی سے خالی ہوں گے۔ سدی نے کہا: ان کے دل ان کے سینوں سے نکلیں گے اور ان کے حلقوں میں پیوست ہو جائیں گے۔ مجاہد، مرہ اور ابن زید نے کہا: بے آباد، برباد اور پھٹے ہوئے جن میں نہ کوئی بھلائی ہو گی اور نہ عقل۔ جس طرح کہ آپ اس گھر کے متعلق اِنَّمَا هُوَ هَوَاءٌ کہتے ہیں جس میں کچھ بھی نہ ہو۔[18]

بدنوں کی حالت کفار کی یہ حالت بیان کی گئی ہے کہ وہ بیڑیوں میں اپنے شیطانوں کے ساتھ بندھے ہوئے ہوں گے۔ ان کے کرتے ایسے سیاہ رنگ اور بدبو دار تار کول کے ہوں گے، جن سے آگ کے شعلے اور زیادہ تیز ہو جائیں۔[19] تفسیر بیضاوی میں ہے کہ ان کے بدنوں پر رال لیپ دی جائے گی تو وہ کُرتے کی طرح ہو جائے گی، اس کی جلن اور اس کے رنگ کی گھبراہٹ و بدبو سے تکلیف پائیں گے۔[20] نیز کافروں کے جسموں پر لپٹے ہوئے تار کول سے آگ کے شعلے اتنے بلند ہوں گے کہ آگ ان کے چہروں کو ڈھانپ لے گی۔[21]

البتہ! ایک روایت میں ہے کہ جس نے عیدُ الفطر اور عید الاَضحی کی رات شب بیداری کی (یعنی عبادت کی) تو اس کا دل اس دن نہیں مرے گا جس دن دل مر جائیں گے۔[22] اللہ پاک ہمیں قیامت کے دن اس کی دہشتوں اور ہولناکیوں سے بچا کر امن و سکون اور عافیت عطا فرمائے۔ اٰمین

1 معجم کبیر، 2/322، حدیث:2343 2 معجم اوسط، 4/147، حدیث:5519 3 بخاری، 2/129، حدیث:2453 4 ابن ماجہ، 2/369، حدیث:1784 5 قرۃ العیون، ص392 6 معجم اوسط، 3/348، حدیث:4808 7 ہمارا اسلام، ص267 8 معجم اوسط، 6/313، حدیث:8885 9 الزھد لامام احمد، ص206، حدیث:1047 مفہوماً 10 البدور السافرۃ، ص177، رقم:310 11 مسلم، ص121، حدیث:573 12 پانی اگر انگلیوں کے درمیان تک بغیر خلال کئے نہ پہنچے تو ایسی صورت خلال کرنا واجب اور اس کے چھوڑنے پر یہ وعید ہے ورنہ خلال کرنا مستحب ہے۔ (فتح القدیر، 1/26) 13 معجم کبیر، 22/64، حدیث:156 14 تفسیر روح البیان، 8/169 15 تفسیر خازن، 3/355 16 تفسیر صراط الجنان، 10/525 17 تفسیر مظہری، 5/144 18 تفسیر قرطبی، الجزء التاسع، 5/267 19 تفسیر صراط الجنان، 5/201 20 تفسیر بیضاوی، 3/358 21 تفسیر روح البیان، 4/437 22 ابن ماجہ، 2/365، حدیث:1782

حضور کے دودھ پینے کی عمر کے واقعات (قسط 8)

شعبہ ماہنامہ خواتین

گزشتہ سے پیوستہ حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سیدہ حلیمہ اور ان کے خاندان پر نوازشوں کا ذکر جاری ہے۔ اسی سلسلے میں مزید معلومات پیشِ خدمت ہیں:

سیدہ حلیمہ کا گھرانا دامنِ اسلام میں

امام نورُ الدین حلبی فرماتے ہیں: سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا مومنہ تھیں۔ علامہ ابنِ حجر رحمۃُ اللہِ علیہ اپنی کتاب شرح ہمزیہ میں فرماتے ہیں کہ یہ سیدہ حلیمہ کی سعادت اور خوش قسمتی تھی کہ وہ بھی مسلمان ہوئیں، ان کے شوہر بھی اور ان کے بچے بھی مسلمان ہوئے یعنی عبدُ اللہ، شَیْمَا اور اُنَیسہ۔[1]

ان سب کے اسلام لانے کی تفصیل کچھ یوں ہے:

سیدہ حلیمہ کا قبولِ اسلام سیدہ حلیمہ کے اسلام لانے میں اختلاف پایا جاتا ہے اور اس کی سب سے بنیادی وجہ ان کے وصال میں اختلاف ہے، کیونکہ جو علمائے کرام کہتے ہیں کہ یہ مسلمان نہیں ہوئی تھیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک سیدہ حلیمہ حضور کے اعلانِ نبوت سے پہلے ہی وصال فرما گئی تھیں۔ جیسا کہ حضرت محمد بن یوسف صالحی شامی رحمۃُ اللہِ علیہ نے حافظ ابنِ کثیر کے حوالے سے یہ بات بیان کی ہے۔[2] اور جو علمائے کرام ان کے اسلام کے قائل ہیں وہ بھی یہ واضح طور پر یقین کے ساتھ نہیں فرماتے کہ سیدہ حلیمہ کب اسلام لائیں اور ان کا وصال کب ہوا؟ البتہ! ان سب کا اس بات پر اِتِّفاق ہے کہ سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا مسلمان ہو گئی تھیں مثلاً علامہ ابنِ جوزی رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: سیدہ حلیمہ حضور کے اعلانِ نبوت کے بعد آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں، اپنے شوہر کے ساتھ اسلام قبول کیا اور بیعت بھی فرمائی۔[3] ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے وصال کے بعد سیدہ حلیمہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں تشریف لائیں تو حضرت ابو بکر صدیق نے آپ کے ساتھ بہترین سلوک فرمایا اور اس کے بعد آپ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی تشریف لائیں تو انہوں نے بھی آپ کی خوب تعظیم فرمائی۔[4] علامہ ابنِ جوزی کی یہ دونوں عبارات اس بات کی گواہ ہیں کہ سیدہ حلیمہ مسلمان ہو گئی تھیں اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا زمانہ نبوت پایا تھا، نیز حافظ مغلطائی کا سیدہ حلیمہ کے اسلام لانے پر باقاعدہ ایک رسالہ "اَلتُّحْفَةُ الْجَسِيْمَةُ فِيْ ذِكْرِ حَلِيْمَة" بھی ہے جس میں انہوں نے سیدہ حلیمہ کے مسلمان ہونے کے دلائل بیان کرنے کے ساتھ شفاءُ الصدور کے حوالے سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ سیدہ حلیمہ سے مروی ہے کہ وہ اپنی لمبی عمر کو اللہ پاک کی نعمت شمار کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ (اللہ پاک کا شکر ہے کہ) میں نے اتنی عمر پائی، یہاں تک کہ حضور کی نبوت اور مدینے کی طرف ہجرت کا زمانہ پا لیا۔ مزید فرماتی ہیں: ایک مرتبہ ہم حضور کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے ہماری عزت افزائی کے لئے اپنی چادر بچھائی اور اس طرح چادر مبارک کے درمیان میں بیٹھ گئے کہ میرے شوہر آپ کے سیدھی جانب، میں اُلٹی جانب اور میرا بیٹا آپ کے سامنے تھا۔[5] سیدہ حلیمہ کا یہ فرمان اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ نے حضور کی نبوت و ہجرت کا زمانہ پایا۔

حافظ مُغْلَطائی مزید فرماتے ہیں: سیدہ حلیمہ کے اسلام کی

سب سے بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے احادیث روایت کیں اور پھر آپ سے دیگر صحابہ نے بھی احادیث بیان کیں۔ کافر جب تک اسلام قبول نہ کرلے اس وقت تک چونکہ اس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی کوئی حدیث روایت کرنا جائز نہیں، لہٰذا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ حلیمہ سعدیہ اسلام لے آئی تھیں۔ اس کے بعد حافظ مغلطائی نے اپنا ایک خواب بیان کیا ہے کہ میں نے ربیع الثانی 838 ہجری کی 22 ویں رات خواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت کی اور ان سے سیدہ حلیمہ سعدیہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ان کا شمار بلاشبہ ان ہستیوں میں ہوتا ہے جن سے اللہ پاک راضی ہے۔[6]

سیدہ حلیمہ کی تاریخ وصال اگرچہ کنفرم کسی نے ذکر نہیں کی۔ البتہ! اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا شمار ان دس ہزار خوش نصیب صحابہ وصحابیات میں ہوتا ہے جنہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مبارک قدموں میں مدینہ طیبہ کے قبرستان جنۃُ البقیع میں دفن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ چنانچہ شاہ عبدُ الحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مزارِ پُر انوار کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جنۃُ البقیع میں ایک چھوٹا سا گنبد ہے جو سیدہ حلیمہ سعدیہ کے قُبّہ کے نام سے مشہور ہے اور لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔[7] سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا مزارِ مبارک بقیع شریف میں ہونا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اسلام لے آئی تھیں اور مدینے میں ہی آپ کا وصال ہوا۔ الغرض اس کے علاوہ بھی کئی چیزیں اس بات کی واضح دلیلیں ہیں کہ آپ مسلمان تھیں اور آپ نے لمبی عمر پائی تھی۔ جن علمائے کرام نے سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے اسلام لانے کا انکار کیا ہے، ان کے اقوال کا دلائل سے رد بھی کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام زُرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حوالے سے جو بحث فرمائی ہے، اس کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے:

شیخ دِمیاطی اور ابو حیّان نَحوی کا یہ خیال کہ سیدہ حلیمہ ایمان نہ لائی تھیں، درست نہیں، کیونکہ حافظ مُغلطائی کی سیدہ حلیمہ کے ایمان کے ثبوت پر لکھی گئی کتاب اَلتُّحفَۃُ الجَسِیمَۃ کو تمام علمائے کرام نے خوب پسند فرمایا ہے۔ چنانچہ ابو حیان کی بات کا وزن اس معاملے میں یوں باقی نہیں رہتا کہ یہ ان کا فن نہیں بلکہ وہ نحو کے امام ہیں اور باقی رہا امام دِمیاطی کا قول تو ان کے قول کے رد کے لئے خود اپنا یہ قول ہی کافی ہے کہ **بہت سے لوگ پھسل گئے ہیں اور انہوں نے سیدہ حلیمہ کو صحابیات میں شمار کیا ہے۔** جب بہت سے محدثین و سیرت نگار یہ بات ثابت کر رہے ہیں تو امام دِمیاطی ان سب کے خلاف حکم کیسے لگا سکتے ہیں! کیونکہ ابنِ ابی خیثمہ، علامہ ابنِ عبدُ البر، علامہ ابنِ جوزی، امام مُنذِری اور حافظ ابنِ حجر وغیرہ جیسے محدثین و علمائے کرام نے سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کو صحابیات میں شمار کیا ہے۔ لہٰذا ان کے اسلام لانے پر بطورِ دلیل ان بزرگوں کا انہیں صحابیات میں شمار کرنا ہی کافی ہے۔[8]

مزید ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے جو یہ روایت مروی ہے کہ "**جب ہم سب عورتیں مکے آئیں اور میرے قبیلے کی تمام عورتوں پر اللہ پاک کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو پیش کیا گیا تو انہوں نے حضور کو بن باپ کا جان کر قبول نہ کیا**" اس روایت کے الفاظ خود اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ سیدہ حلیمہ سعدیہ نے اسلام قبول کر لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ذکرِ خیر کیا تو ان کی رسالت کا اقرار ہی نہیں کیا، بلکہ حضور پر درود وسلام کا نذرانہ بھی پیش کیا۔[9]

حضور کے رضاعی والد کا قبولِ اسلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے رضاعی والد حضرت حارث کا اسلام لانے کے متعلق امام سُہیلی فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حارث مکے میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ملنے کے لئے اس زمانے میں آئے جبکہ قرآن پاک نازل ہونا شروع ہو چکا تھا تو قریش نے ان سے

کہا: اے حارث! کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا بیٹا کیا کہتا ہے؟ حارث نے پوچھا: کیا کہتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اس کا دعویٰ ہے کہ اللہ پاک مُردوں کو دوبارہ زندہ کرکے قبروں میں سے اٹھائے گا اور یہ کہ اللہ کے یہاں دو گھر ہیں، جن میں سے ایک میں ان لوگوں کو اللہ پاک سزا دیتا ہے جو اس کی نافرمانی کرتے ہیں اور دوسرے میں ان لوگوں کو نیک بدلہ دیتا ہے جو اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں یعنی بُروں کو دوزخ میں عذاب دیتا ہے اور نیک لوگوں کو انعام میں جنت دیتا ہے۔ ان باتوں سے اس نے ہم لوگوں میں پھوٹ ڈلوادی ہے۔ حارث یہ سن کر حضور کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے: اے بیٹے! آپ کو کیا ہوا ہے کہ آپ کی قوم کے لوگ آپ کی شکایت کرتے ہیں! ان کا دعویٰ ہے کہ آپ ایسا ایسا کہتے ہیں، یعنی لوگ مرنے کے بعد پھر زندہ ہوں گے اور اس کے بعد جنت اور جہنم میں جائیں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں! میں ایسا کہتا ہوں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ہاں! میرا دعویٰ یہی ہے اور ابا جان! اگر آج وہ دن ہوتا تو میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو اس بات کا ثبوت دیتا۔ یہ سن کر حارث مسلمان ہو گئے اور شریعت کے بہت پابند ہوئے۔ جب وہ مسلمان ہو گئے تو یہ کہا کرتے تھے: اگر میرا بیٹا اپنی بات کا ثبوت دینے کے لئے میرا ہاتھ پکڑ لیتا تو مجھے جنت میں داخل کئے بغیر نہ چھوڑتا۔[10] یعنی حضرت حارث کو حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی نبوت پر اس قدر پکا یقین تھا کہ انہوں نے یہاں تک فرمادیا کہ اگر میرا بیٹا چاہتا تو اسی وقت اپنی بات ثابت کرنے کے لئے مجھے جنت میں داخل کر دیتا۔ سبحان اللہ! یقین ہو تو ایسا!

حضور کے رضاعی بھائی کا قبولِ اسلام علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ واقعہ حضور کے رضاعی والد کے ساتھ نہیں، بلکہ ان کے بیٹے اور حضور کے رضاعی بھائی حضرت عبدُ اللہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جب حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے رضاعی بھائی نے حضور کے اعلانِ نبوت کے بعد آپ سے پوچھا کہ کیا آپ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق باتیں کرتے ہیں؟ تو حضور نے ارشاد فرمایا تھا: مجھے قسم ہے اس ہستی کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! قیامت کے دن میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر تمہیں اس بات کا ثبوت دوں گا۔ یہ سن کر حضرت عبدُ اللہ ایمان لے آئے اور پھر اکثر بیٹھے بیٹھے روتے ہوئے فرمایا کرتے: مجھے یقین ہے کہ (میرے رضاعی بھائی) میرے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم قیامت کے دن ضرور میرا ہاتھ تھام لیں گے (جیسا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا تھا)۔[11]

یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد امام ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعے ہوں اور حضور کے رضاعی والد اور رضاعی بھائی دونوں کے ساتھ ایک جیسا واقعہ پیش آیا ہو۔[12] بہر حال ان دونوں واقعات سے ایک بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی برکت سے حضور کے رضاعی بھائی اور رضاعی والد کو اسلام کی دولت نصیب ہوئی اور حضور روزِ قیامت ان کی شفاعت بھی فرمائیں گے۔

حضور کی رضاعی بہن کا قبولِ اسلام حضور کی رضاعی بہن حضرت شیما غزوۂ حنین کے موقع پر قید ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو حضور نے ایک نشانی سے انہیں پہچان کر ان کی خوب عزت فرمائی اور محبت کا اظہار کیا۔ چنانچہ یہ بھی اس موقع پر اسلام لے آئیں۔[13] یوں سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کا سارا گھرانا مسلمان ہو گیا۔

---

(1) سیرت حلبیہ، 1/130 (2) سبل الہدی والرشاد، 1/382 (3) المنتظم، 2/270 (4) الوفا باحوال المصطفیٰ، 1/96 (5) تحفہ جسیمہ، ص91 (6) تحفہ جسیمہ، ص95تا96 (7) مدارج النبوۃ، 2/494 (8) شرح زرقانی علی المواہب، 1/265 (9) شرح زرقانی علی المواہب، 1/267 (10) الروض الانف، 1/283 (11) الاصابہ، 1/676 (12) الاصابہ، 1/677 (13) سبل الہدی والرشاد، 5/333

حضور کی شرم وحیا

(نئی رائٹرز کی حوصلہ افزائی کے لئے یہ دو مضمون 20ویں تحریری مقابلے سے منتخب کر کے ضروری ترمیم و اضافے کے بعد پیش کئے جارہے ہیں)

بنتِ محمد سلطان
(درجہ: ثالثہ، جامعۃ المدینہ گرلز خوشبوئے عطار گلشن کالونی، واہ کینٹ)

حیا وہ وصف ہے کہ جوان چیزوں سے انسان کو روک دے جو اللہ پاک اور مخلوق کے نزدیک ناپسندیدہ ہوں، جبکہ مخلوق سے شرمانے میں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو نہ کسی کے حقوق کی ادائیگی میں رکاوٹ پیدا ہو۔ یہ ایک ایسا وصف ہے جو انسان کو گناہوں سے روک دیتا ہے، حیا تقویٰ اور ایمان کی اصل ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو شرم وحیا کے متعلق نصیحت کر رہا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اسے فرمایا: اسے چھوڑ دو کہ حیا ایمان سے ہے۔[1] چونکہ اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی مبارک زندگی ہمارے لئے کامل نمونہ ہے۔ لہٰذا حیا کب، کہاں اور کیسے کرنی ہے؟

اس کی مکمل تعلیم اور عملی نمونہ آپ کی مبارک سیرت میں موجود ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی شرم و حیا کے متعلق مشہور صحابیِ رسول حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ پاک کے آخری و پیارے نبی، محمد عربی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اس سے بھی زیادہ شرمیلے تھے جیسی کنواری لڑکی اپنے پردے میں شرمیلی ہوتی ہے اور جب کوئی ناپسند چیز دیکھتے تو ہم چہرۂ انور میں اسے پہچان لیتے تھے۔[2]

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کنواری لڑکی کی جب شادی ہونے والی ہوتی ہے تو اسے گھر کے ایک گوشہ (کونے) میں بٹھا دیا جاتا ہے اسے اردو میں مایوں بٹھانا کہا جاتا ہے، اس جگہ یعنی گھر کے گوشہ کو مائیں کہتے ہیں۔ اس زمانہ میں لڑکی بہت ہی شرمیلی ہوتی ہے، گھر والوں سے بھی شرم کرتی ہے، کسی سے کھل کر بات نہیں کرتی، حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی شرم اس سے بھی زیادہ تھی۔ حیا انسان کا خاص جوہر ہے جتنا ایمان قوی (مضبوط) اتنی حیا زیادہ۔

حدیثِ پاک کے اس حصے **اور جب کوئی ناپسند چیز دیکھتے تو ہم چہرۂ انور میں اسے پہچان لیتے تھے،** کے تحت لکھتے ہیں: یعنی دنیاوی باتوں میں سے کوئی بات یا کوئی چیز حضور انور کو ناپسند ہوتی تو زبانِ مبارک سے نہ فرماتے، مگر چہرۂ انور پر ناپسندیدگی کے آثار ظاہر ہو جاتے تھے خدام بارگاہ پہچان لیتے تھے۔[3]

اس لئے ہر بُری بات، کام اور قابلِ مذمت حرکات و سکنات سے عمر بھر ہمیشہ آپ کا دامنِ عصمت پاک وصاف ہی رہا اور پوری حیاتِ مبارکہ میں وقار و مُروّت کے خلاف آپ سے کوئی عمل سرزد نہ ہوا۔[4]

اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور کی حیا کے متعلق مروی چند روایات پیشِ خدمت ہیں: ☆ حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نہ تو فَاحِش یعنی نہ عادۃً بُری باتیں کرنے والے تھے اور نہ مُتَفَحِّش یعنی تکلُّفاً بُری باتیں کرتے اور نہ ہی بازاروں میں شور کرنے والے تھے۔ آپ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہ دیتے، بلکہ معاف کرتے اور درگزر فرماتے۔ ☆ میں نے کبھی بھی حضور کو برہنہ نہیں دیکھا۔[5] ☆ حضور

حیا کی وجہ سے کسی کے چہرے پر نظر جما کر باتیں نہ کرتے اور ناپسندیدہ بات کو اشاروں، کنایوں میں بیان فرمادیتے تھے۔[6]

☆ حضور کو جب کسی کی جانب سے ناپسندیدہ معاملے کی خبر ملتی تو آپ یوں نہ فرماتے کہ فلاں کا کیا حال ہے کہ وہ ایسا کہتا ہے؟ بلکہ فرماتے: فلاں قوم کیا کرتی ہے؟ یا فلاں قوم کیا کہتی ہے؟[7]

نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود | اونچی بینی کی رِفعت پہ لاکھوں سلام

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بار گاہِ الٰہی میں حضورِ جانِ عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اسی شرم و حیا کو وسیلہ بناکر دعا کرتے ہیں:

صدقہ پیارے کی حیا کا کہ نہ لے مجھ سے حساب
بخش بے پوچھے لجائے کو لجانا کیا ہے

بنتِ شہزاد احمد مدنیہ
(ذمہ دار اصلاحِ اعمال ذیلی سطح، جونا بکسی کراچی)

شرم و حیا اس وصف کو کہتے ہیں جو بندے کو ہر اس چیز سے روک دے جو اللہ پاک اور اس کی مخلوق کے نزدیک ناپسندیدہ ہو۔[8] شرم و حیا ایک ایسی صفت ہے جس کے بغیر مسلمان کی زندگی ادھوری ہے۔ یہ ایمان کے تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضا ہے۔ قرآنِ پاک اور احادیثِ مبارکہ میں اس کی بہت اہمیت بیان فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ

اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ (پ18، النور:31) ترجمہ: اور مسلمان عورتوں کو حکم دو کہ وہ اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں۔

2 احادیثِ مبارکہ

(1) بے شک حیا اور ایمان آپس میں ملے ہوئے ہیں، تو جب ایک اُٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اُٹھالیا جاتا ہے۔[9]

(2) بے شک ہر دین کا ایک خُلق ہے اور اسلام کا خُلق حیا ہے۔[10]

حضور کی شرم و حیا حضرت عمران بن حُصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کنواری، باپردہ لڑکی سے بھی زیادہ باحیا تھے۔[11] حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حیا کے بارے میں ربِّ کریم کا یہ فرمان سب سے بڑا گواہ ہے: اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ٘ (پ22، الاحزاب:53) ترجمہ: بیشک یہ بات نبی کو ایذا دیتی تھی تو وہ تمہارا لحاظ فرماتے تھے۔

اس لئے ہر بُری بات، بُرے کام اور قابلِ مذمت حرکات و سکنات سے عمر بھر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دامن پاک و صاف ہی رہا اور پوری مبارک زندگی میں عزت و وقار کے خلاف آپ سے کوئی عمل واقع نہیں ہوا۔[12]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نہ بے حیائی کی باتیں کرتے، نہ تکلّفاً بُری باتیں کرتے، نہ بازاروں میں شور مچانے والے تھے۔ آپ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیا کرتے تھے، بلکہ معاف کرتے اور درگزر فرمادیا کرتے تھے۔ مزید فرماتی ہیں: میں نے کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو برہنہ نہیں دیکھا۔[13]

خلاصہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت کو اپنائے، گندی باتوں سے دور رہے اور شرم و حیا کا پیکر بن جائے کہ حدیثِ مبارک میں حیا کو اسلام کا خُلق فرمایا گیا ہے۔ تو جس نے حیا کو اپنایا ان شاء اللہ اس نے اسلام اور ایمان کو پالیا۔

نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود | اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام

ربِّ کریم پیارے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شرم و حیا کے صدقے ہمیں بھی شرم و حیا کی پیکر بننے کی توفیق نصیب فرمائے۔ اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الاَمین صلی اللہ علیہ والہ وسلم

---

1 بخاری، 1/19، حدیث:24 2 بخاری، 4/127، حدیث:6102 3 مراۃ المناجیح، 8/73 4 سیرتِ مصطفیٰ، ص614 5 ترمذی، 4/335، حدیث:2741 6 الشفاء، 1/119 7 الشفاء، 1/119، 118 8 باحیا نوجوان، ص7 ملخصاً 9 مستدرک، 1/176، حدیث:66 10 ابن ماجہ، 4/460، حدیث:4181 11 معجم کبیر، 18/206، حدیث:508 12 سیرتِ مصطفیٰ، ص614 13 ترمذی، 4/335، حدیث:2741

حضرت یوسف علیہ السلام کے معجزات و عجائبات

(20ویں اور آخری قسط)

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے لشکروں سمیت اللہ پاک کے نبی اور اپنے والد ماجد کا استقبال تین دن کی راہ سے کیا تھا۔ جب یہ سارے لوگ مصر میں داخل ہونے لگے تو پورا مصر گویا اپنے گھروں سے باہر نکل آیا، بی بی زلیخا بھی یہ سن کر تشریف لے آئیں اور راستے میں ایک مقام پر جب حضرت یوسف علیہ السلام کو پکارا تو انہوں نے انہیں نہ پہچانا، کیونکہ یہ بہت بوڑھی ہو چکی تھیں، چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر حضرت یوسف کو ان کے متعلق بتایا، ان کے چھونے سے بی بی زلیخا پہلے سے بھی حسین اور جوان ہو گئیں اور ساتھ ہی ایمان بھی لے آئیں تو اللہ پاک کے حکم سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے کر دیا۔ ادھر بی بی زلیخا پر بھی چونکہ ایمان کی حقیقت واضح ہو چکی تھی لہٰذا وہ محبتِ الٰہی میں اتنی آگے بڑھ گئیں کہ انہوں نے ہر چیز سے منہ موڑ کر خود کو ایک مکان میں بند کر لیا اور رات دن اللہ پاک کی عبادت میں مصروف ہو گئیں۔[1] بلکہ جب تک حضرت یعقوب علیہ السلام حیات رہے بی بی زلیخا ان سے علمِ دین حاصل کرتی رہیں یہاں تک کہ آپ علم میں مصر کے تمام علما سے بڑھ گئیں۔[2]

حضرت یعقوب علیہ السلام جب مصر پہنچے تو آپ کے ساتھ آپ کے بیٹوں اور پوتوں وغیرہ کی تعداد تقریباً 400 تھی۔ پھر جب تنہائی میسر آئی تو آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی ساری داستانِ غم پوچھی، جسے سن کر وہ شدتِ غم سے بے ہوش ہو گئے، پھر ہوش میں آئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے عرض کی: ابا جان! اب غم نہ کیجئے! وہ دن گزر چکے ہیں اور اللہ پاک کے شکر سے ہم ایک دوسرے کو مل چکے ہیں۔[3]

پھر شاہی دربار سجا تو حضرت عبدُ اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد کو سیدھی اور خالہ کو الٹی طرف اور بھائیوں کو اپنے شاہی تخت کے سامنے بٹھایا تو وہ سب کے سب سجدے میں گر پڑے اور انہوں نے سجدے میں یہ کہا: پاک ہے وہ ذات! جس نے سب کو جمع کر دیا۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد ماجد سے عرض کی: ابا جان! جو خواب میں نے دیکھا تھا یہ اس کی تعبیر ہے، اللہ پاک نے میرے خواب کو سچا کر دیا ہے۔

یاد رہے! حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سب بھائیوں نے سجدۂ تعظیمی کیا تھا، کیونکہ حقیقی سجدہ صرف اللہ پاک کے لئے ہوتا ہے۔ پھر سب بھائیوں نے باپ سے عرض کی کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کا قصور معاف کرنے کی سفارش کریں تو حضرت یوسف علیہ السلام بولے: ابا جان! میں آپ کے آنے سے پہلے ہی ان کا قصور معاف کر چکا ہوں، لیکن آپ کے فرمانے پر میں دوبارہ اللہ پاک اور آپ کی وجہ سے ان کا قصور معاف کرتا ہوں، اللہ پاک ہمارا اور ان سب کا قصور معاف کرے۔[4]

حضرت عبدُ اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد ماجد سے عرض کی: میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے محل میں میرے پاس رہیں۔ مگر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: بیٹا! مجھے یہ زیبا نہیں، بہتر ہے مجھے ایک الگ مکان دے دے تاکہ میں اس میں اللہ پاک کی عبادت کروں اور اس کی عطا کردہ نعمتوں پر اس کا شکر ادا کروں۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد کے

ارشاد کے موافق ایک الگ مکان بنوا دیا۔ وہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کے دن روزے کی حالت میں اور راتیں عبادت میں گزرنے لگیں۔ ادھر حضرت یوسف علیہ السلام نے باقی سب بھائیوں کے بھی الگ الگ محل بنوا دیئے، مگر بنیامین آپ کے محل میں ہی رہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں 40 سال زندہ رہے اور اپنے بچوں اور ان کے بچوں کو خوب علم سکھایا۔ آپ اور آپ کی اولاد میں سے ہر ایک کے بارہ بارہ لڑکے تھے جو سب کے سب انبیائے صالحین میں ہوئے۔ [5]

حضرت یعقوب کا وصال حضرت عبدُ اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو یہ وحی دے کر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس بھیجا کہ اب آپ اپنے باپ دادا کے مزارات کی زیارت کو جائیں اور اپنی باقی زندگی وہیں بیتُ المقدس میں گزاریں۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بلا کر اللہ پاک کا یہ پیغام بتایا تو انہوں نے عرض کی: روح قبض کرنے کا وعدہ کب ہے؟ ارشاد فرمایا: وعدہ قریب ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام یہ سن کر رونے لگے۔ بہر حال حکمِ الٰہی کے مطابق حضرت یعقوب علیہ السلام کے سفر کا سامان تیار کر دیا۔ جب وہ بیتُ المقدس کے قریب پہنچے تو ان پر نیند کا غلبہ ہوا اور انہوں نے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سورج کی طرح روشن سرخ جواہرات کی کرسی پر بیٹھے دیکھا۔ ان کے ایک ہاتھ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے میں حضرت اسحاق علیہ السلام کا ہاتھ تھا، جو فرما رہے تھے: اے یعقوب! ہمارے پاس چلے آؤ! ہم تمہارے منتظر ہیں۔ لہٰذا جاگنے کے بعد آپ خوشی کی حالت میں اپنی اونٹنی کے پاس گئے اور اسے کہا: تو یوسف سے جا کے کہنا! میں اپنے رب کے پاس جانے والا ہوں۔

اس کے بعد اونٹنی تو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف روانہ ہوئی اور خود آپ وہاں مختلف مزارات پر حاضری دینے لگے کہ اچانک آپ کا گزر ایک ایسی کھدی ہوئی قبر کے پاس سے ہوا جس سے نہایت عمدہ خوشبو آ رہی تھی۔ پوچھنے پر جب معلوم ہوا کہ یہ کسی نیک بزرگ کے لئے تیار کی گئی ہے تو دعا کرنے لگے: اے اللہ! اسی قبر کو میری آخری آرام گاہ بنا دے۔ دعا قبول ہوئی اور اسی وقت مَلَکُ الْمَوْت روح قبض کرنے آ گئے، جسے دیکھ کر آپ نے پوچھا: تو کون ہے کہ تجھے دیکھتے ہی میرے سب اعضا اور جوڑ ڈھیلے پڑ گئے ہیں۔ عرض کی: مَلَکُ الْمَوْت۔ فرمایا: زیارت کے لئے آئے ہو یا روح قبض کرنے کے لئے؟ عرض کی: دونوں کاموں کے لئے۔ فرمایا: اللہ پاک کے حکم اور اللہ پاک کی ملاقات پر مرحبا! صد مرحبا! پھر آپ لیٹ گئے اور مَلَکُ الْمَوْت روح نکالنے لگے تو اس سے ارشاد فرمایا: میں تجھ سے یہ چاہتا ہوں کہ تو میرے بیٹے یوسف کی روح آسانی سے نکالے۔ اس کے بعد آپ نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ پڑھا اور مَلَکُ الْمَوْت نے آپ کی روح نکال لی۔ اس وقت آپ کی عمر 200 سال تھی۔ جب مَلَکُ الْمَوْت آپ کی روح لے کر آسمان پر پہنچے تو فرشتوں نے استقبال کیا۔ پھر حضرت جبرائیل، میکائیل اور فرشتوں کی ایک جماعت نے زمین پر اتر کر آپ کے غسل اور کفن دفن کا اہتمام کیا۔

اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اللہ پاک کے حکم سے آپ کے انتقال فرمانے کی خبر حضرت یوسف علیہ السلام کو پہنچائی اور ساتھ ہی اللہ پاک کی طرف سے سلام پہنچا کر تعزیت بھی کی۔ اتنی دیر میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی بھیجی ہوئی اونٹنی بھی پہنچ گئی اور اس نے اللہ پاک کے حکم سے عبرانی زبان میں پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں سلام عرض کیا اور پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کا پیغام پہنچایا کہ وہ آپ سے ہمیشہ کے لئے راضی ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام والد ماجد کے انتقال کی خبر سن کر غم زدہ ہو گئے اور تین دن تک لوگ آپ کی خدمت میں تعزیت کے لئے حاضر ہوتے رہے۔ چونکہ آپ کا دل بھر چکا تھا، لہٰذا آپ نے دعا مانگی: اے اللہ! تو نے مجھے ملک دیا، اور

خوابوں کی تعبیر سکھائی۔اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! دنیا و آخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے۔ مجھے اسلام کی حالت میں موت دے اور مجھے نیک لوگوں سے ملا دے۔ جب آپ علیہ السلام نے یہ آرزو کی تو اللہ پاک نے آپ کو یہ وحی بھیجی کہ جب تک آپ کے بیٹوں، پوتوں اور پڑپوتوں کی تعداد 600 تک نہیں ہو جاتی اس وقت تک آپ کو موت نہیں آئے گی۔

مدینۃ الحرمین کی تعمیر حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنے میں مصروف ہو گئے، پھر اللہ پاک کے حکم سے آپ اپنے بیٹوں، پوتوں اور بھائیوں بھتیجوں کے علاوہ ان 40 ہزار مردوں عورتوں کو لے کر جو مسلمان ہو چکے تھے، مصر سے باہر ایک مقام پر جا ٹھہرے اور وہاں اللہ پاک کے حکم سے "مدینۃ الحرمین" شہر کی بنیاد رکھی۔ لوگوں نے جب پانی سے متعلق عرض کی تو آپ نے دعا مانگی، اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے دریائے نیل میں سے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس آباد کئے ہوئے نئے شہر تک بہت بڑی نہر نکال دی۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے اس شہر کے گرد ایک بہت بڑی فصیل بنائی اور اس میں بہت سے دروازے رکھے۔ آپ کا یہ شہر خوب آباد ہو گیا، مصر میں جو خیر و برکت تھی وہ سب اس شہر میں آگئی، یہیں بی بی زلیخا کا انتقال ہوا اور یہیں پر ان کو دفن کیا گیا۔ ایک قول کے مطابق حضرت زلیخا کے 20 دن بعد حضرت یوسف علیہ السلام بھی دنیا سے پردہ فرما گئے۔

حضرت عبدُ اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بیٹے افرائیم کو یہ وصیت کی: اے بیٹے! جب میں مر جاؤں تو تمہیں اللہ پاک کی طرف سے جو حکم ملے اسی کے مطابق مجھے دفن کرنا۔ پھر آپ نے تین بار سانس لیا اور دنیا سے پردہ فرما لیا۔ افرائیم نے اللہ پاک کے حکم کے مطابق آپ کے غسل وغیرہ کا اہتمام کیا، جب دفن کرنے کے لئے نہر قیوم کے پاس پہنچے تو نہر کے برابر دو ٹکڑے ہو گئے، اس میں ایک خوبصورت اور خوشبودار تیار قبر ظاہر ہوئی جس میں حضرت یوسف علیہ السلام دفن کئے گئے۔ لوگوں کے باہر آتے ہی اللہ پاک کی قدرت سے پانی دوبارہ بہنے لگا۔

حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: 17 سال کی عمر میں حضرت یوسف علیہ السلام کنوئیں میں ڈالے گئے، صحیح قول کے مطابق 66 سال کی عمر میں باپ سے ملے، حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ مصر میں 40 سال رہے اور ان کے بعد 30 یا 40 یا 55 سال سال زندہ رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک کوئی بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے متعلق نہ جانتا تھا۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک کا حکم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو یہاں سے نکال کر ان کے باپ دادا کے قبرستان میں دفن کریں تو آپ نے قبر کی تلاش شروع کر دی تو معلوم ہوا کہ شارح نام کی عورت کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ قبر کہاں ہے! مگر اس کا کہنا ہے کہ جب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی ضرورت پوری نہ کریں گے وہ قبر کی نشاندہی نہ کرے گی۔ ضرورت پوچھنے پر عرض کی: میں چاہتی ہوں کہ جنت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہوں۔ ارشاد فرمایا: یہ میرے اختیار میں نہیں۔ اسی وقت اللہ پاک نے وحی بھیجی کہ یہ عورت جو چاہتی ہے ہم نے دیا۔ لہٰذا اس عورت کے بتانے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنا عصا نہر پر ڈالا تو جہاں حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر تھی، اس کے سیدھی اور اُلٹی جانب سے پانی ٹھہر گیا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام قبر میں اترے اور تابوت نکال کر حضرت یوسف علیہ السلام کے جسم کو ان کے باپ دادا کے قبرستان میں لے جا کر دفن کر دیا۔[6]

1 بحر المحبہ، ص158 تا 159 2 بحر المحبہ، ص161 3 بحر المحبہ، ص160 4 بحر المحبہ، ص160 5 بحر المحبہ، ص160، 161 6 بحر المحبہ، ص161، 164

شرح سلامِ رضا

بنتِ اشرف عطاریہ مدنیہ
ڈبل ایم اے (اردو، مطالعہ پاکستان) گوجرہ منڈی بہاؤالدین

(105)

نعرہ ہائے دلیراں سے بَن گونجتے
غُرِّشِ کوسِ جرأت پہ لاکھوں سلام

مشکل الفاظ کے معانی **دلیراں:** بہادر لوگ۔ **بن:** جنگل۔ **غُرِّش:** غراہٹ، ہیبت۔ **کوس:** نقارہ۔

مفہومِ شعر میدانِ بدر میں جن بہادروں کے پُرجوش نعروں سے جنگل گونج اٹھے، ان کی بہادری کی نقارے جیسی رعب دار غراہٹ پہ لاکھوں سلام۔

شرح میدانِ بدر بلکہ جس میدان میں بھی بہادرانِ اسلام صف آرا ہوتے ان کے نعرۂ تکبیر کی گرج سے کوہ وصحرا اور جنگل وبیابان گونج اٹھتے، زمین تھر تھرا اٹھتی، ان کی آوازوں میں وہ رعب و دبدبہ ہوتا کہ ہیبت سے کافروں کے کلیجے لرز جاتے، جس سمت رخ کرتے تمام علاقے اور شہر اسلام کے سائے تلے آجاتے، غلامانِ محمد کی جرأت و بہادری سے بھری داستانیں دورِ نبوی تک ہی محدود نہ رہیں بلکہ اہلِ ایمان نے فتوحات کے سلسلے کو جاری رکھا اور جرأت و بہادری کے جوہر دکھاتے رہے، یہی وجہ ہے کہ طارق بن زیاد، محمد بن قاسم اور صلاح الدین ایوبی وغیرہ فاتحینِ اسلام کے نام آج بھی تاریخ کے ماتھے پر ستاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں۔

(106)

وہ چقا چاق خنجر سے آتی صدا
مصطفیٰ تیری صولت پہ لاکھوں سلام

مشکل الفاظ کے معانی **چقاچاق:** تلوار کے کاٹنے کی آواز۔ **صولت:** ہیبت۔

مفہومِ شعر میدانِ بدر میں پیارے آقا صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اور آپ کے جاں نثار اصحاب کی کفار پہ چلنے والی تلواروں اور خنجروں کے کاٹنے کی آوازیں گویا کہ حضور کی بے مثال ہیبت وجرأت پر لاکھوں سلام پیش کر رہی تھیں۔

شرح: وہ چقا چاق خنجر ان اشعار میں حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی میدانِ بدر میں جرأت و بہادری اور آپ کے اصحاب کے کارناموں، ان کے نعروں کی ہیبت، نیز تلواروں، خنجروں اور فرشتوں کے کوڑوں کی چقا چاق آوازوں سے پیدا ہونے والے رعب کا تذکرہ ہے، کیونکہ غزوۂ بدر وہ معرکہ ہے جس میں انسان ہی نہیں بلکہ پانچ ہزار فرشتے بھی کفار سے لڑ رہے تھے، جیسا کہ حضرت عبدُ اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مسلمان اس دن کافروں کا پیچھا کرتے تھے اور کافر مسلمانوں کے آگے آگے بھاگتا جاتا تھا کہ اچانک اُوپر سے کوڑے کی آواز آتی اور سوار کا یہ کلمہ سنا جاتا تھا: اَقْدِمْ حَیْزُوْمُ یعنی اے حیزوم! آگے بڑھ! (حیزوم حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے)۔ نظر آتا تھا کہ کافر گر کر مر گیا، اس کی ناک تلوار سے اُڑادی گئی اور چہرہ زخمی ہوگیا۔ صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے یہ باتیں بیان کیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ تیسرے آسمان کی مدد ہے۔[1] الغرض معرکۂ بدر ہو یا دیگر غزوات، مسلمان جب جذبۂ ایمانی کے ساتھ دینِ الٰہی کی سربلندی کے لیے تلوار اٹھاتے تو اس کی آواز کی ہیبت سے کفار کے کلیجے کانپ اٹھتے تھے اور ان کے دلوں میں ان بہادروں کے آقا صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے رعب و دبدبے اور شان و شوکت کی دھاک بیٹھ جاتی۔

(107)

ان کے آگے وہ حمزہ کی جانبازیاں
شیرِ غُرّان سَطوَت پہ لاکھوں سلام

مشکل الفاظ کے معانی **جانبازیاں:** جان نثاریاں۔ **شیر غُرّان:** بپھرا ہوا شیر۔ **سطوت:** دبدبہ۔

مفہومِ شعر حضور کی نگاہوں کے سامنے آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی وہ بے مثال بہادری، جانبازی، دشمنوں پر شیر کی طرح غُرانا اور دھاڑنا! اسلام کے اس دھاڑیں مارتے ہوئے بہادر شیر کی ہیبت و دبدبے پہ لاکھوں سلام۔

شرح حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ حضور کے چچا اور دودھ شریک بھائی ہیں۔[2] حضور کو آپ سے اور آپ کو حضور سے بے حد محبت تھی، حضور کی آپ سے محبت کا عالم یہ تھا کہ ارشاد فرمایا: میرے تمام چچاؤں میں سب سے بہتر امیر حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں۔[3] جبکہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی حضور سے محبت اس بات سے جان لیجئے کہ قبولِ اسلام سے پہلے بھی آپ ہمیشہ کفارِ مکہ کی شرارتوں سے حضور کی حفاظت فرمایا کرتے یہاں تک کہ آپ کے ایمان لانے کا سبب بھی اسی قسم کا ایک واقعہ بنا۔ ہوا کچھ یوں کہ آپ کو معلوم ہوا کہ ابو جہل نے حضور کو تکلیف پہنچائی ہے تو آپ اسی وقت حرم کعبہ میں پہنچے اور ابوجہل کے سر پر اپنی کمان دے ماری اور حضور کی حمایت و قبولِ اسلام کا کھل کر اعلان کر دیا، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے مسلمان ہونے سے روک کر دکھاؤ۔[4] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام سے تین دن پہلے آپ نے اسلام قبول کیا، آپ نے اپنی تمام تر طاقتیں حضور کی مدد میں قربان کر دیں اور کفار کے خلاف ہر میدان میں اپنی بے مثال بہادری و جاں نثاری کا ایسا مظاہرہ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اللہ پاک نے ساتوں آسمانوں پر لکھا ہے کہ حمزہ اللہ اور اس کے رسول کا شیر ہے۔[5]

(108)

الغرض ان کے ہر مُو پہ لاکھوں درود
ان کی ہر خو و خصلت پہ لاکھوں سلام

مشکل الفاظ کے معانی **مو:** بال۔ **خو و خصلت:** عادت / ادا۔

مفہوم شعر حضور کے اوصاف اور آپ کی شان و عظمت اتنی زیادہ ہے کہ بس یہ کہنا کافی ہے کہ آپ کے ہر بال مبارک پر لاکھوں رحمتیں اور ہر عادت و وصف پہ لاکھوں سلام۔

شاہ ولیُّ اللہ محدّث دہلوی اپنے والد شاہ عبدُ الرحیم دہلوی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ ایک بار وہ شدید بیمار تھے، انہیں خواب میں حضور کی زیارت ہوئی، حضور نے ان کا حال پوچھ کر صحت یابی کی خوشخبری دی اور اپنی داڑھی مبارک کے دو بال مبارک بھی عنایت فرمائے۔ والد صاحب کی جب آنکھ کھلی تو وہ بال ان کے تکیے کے نیچے تھے، اسی وقت انہیں صحت یابی نصیب ہوگئی۔ والد صاحب نے مجھے اپنا خواب سنایا اور ایک بال بھی عنایت فرمایا جو آج بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ ان موئے مبارک کے کمالات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ آپس میں جڑے رہتے تھے جوں ہی درود شریف پڑھا جاتا الگ الگ سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے اور درود شریف ختم ہوتے ہی پھر اصلی حالت پر لوٹ آتے۔ ایک مرتبہ تین بدمذہبوں نے امتحان لینا چاہا اور ان موئے مبارک کو دھوپ میں لے گئے۔ غیب سے فوراً بادل کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا جس نے ان موئے مبارک پر سایہ کر لیا حالانکہ اس وقت چلچلاتی دھوپ پڑ رہی تھی، ان میں سے ایک نے توبہ کرلی۔ جب دوسری اور تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا تو باقی دونوں نے بھی توبہ کرلی۔ ایک مرتبہ کئی لوگ موئے مبارک کی زیارت کیلئے جمع ہوگئے، شاہ صاحب نے بہت کوشش کی مگر تالا نہ کھلا، اس پر شاہ صاحب نے مُراقبہ کیا تو پتا چلا کہ ان میں ایک شخص ناپاکی کی حالت میں ہے۔ شاہ صاحب نے عیب چھپاتے ہوئے ہوئے سب کو غسل کرنے کا حکم دیا، وہ شخص جیسے ہی لوگوں سے الگ ہوا فوراً تالا کھل گیا اور سب نے موئے مبارک کی زیارت کرلی۔[6]

موئے مبارکہ سے برکت حاصل کرنے کے معاملے میں ہمارے بزرگوں کا انداز بڑا قابلِ رشک تھا۔ مختلف طریقوں سے ان سے برکت حاصل کرنا اور اپنی حاجتوں کو پورا کرنا ان کا معمول رہا ہے۔ پانی میں موئے مبارک ڈال کر مریضوں کو پلانا، ٹوپی میں سی کر جنگ و جہاد میں پہننا اور بعدِ وفات کفن میں ساتھ رکھنے کی وصیت کرنا اس کی واضح مثالیں ہیں۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

ان کی ہر خو و خصلت حضور کا بے داغ کردار سچائی و امانت، ایمانداری و سمجھداری، امن و سلامتی، صلح صفائی اور انصاف پسندی الغرض ہر قسم کے اچھے اوصاف، اچھی عادات اور اچھے اخلاق سے آراستہ تھا۔ آپ کی ہر ہر ادا بہترین اور ہر عادت بے مثال تھی۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی جان مولانا حسن رضا خان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

تری صورت تری سیرت زمانے سے نرالی ہے
تری ہر ہر ادا پیارے دلیلِ بے مثالی ہے

1 مسلم، ص969، حدیث:4588 2 الاستیعاب، 1/423 3 معرفۃ الصحابۃ، 2/21، رقم:1839 4 معجم کبیر، 3/140، حدیث:2926 5 مستدرک، 4/204، حدیث:4950 6 انفاس العارفین، ص75،74

فیضانِ امیرِ اہلِ سنت

مَدَنی مذاکرہ

لڑائی جھگڑے کی اصل وجہ بے صَبری ہے

سوال لوگ اکثر اِس طرح کے سُوالات پوچھتے ہیں کہ بعض اوقات گھر میں موجود خواتین جیسے والدہ، بہن اور بیوی کے دَرمیان کسی بات پر نوک جھونک ہو جاتی ہے اس پر خوب غور و فکر کرنے کے بعد ایک فریق کی طرف سے زیادہ غلطی معلوم ہوتی ہے جبکہ دوسری طرف کوئی خاص قصور نہیں ہوتا تو شوہر کبھی اپنی والدہ کی طرف داری کرتا ہے اور کبھی بیوی یا بہن کی، ایسے میں شوہر کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب یہ واقعی نازک مُعاملہ ہے، اِس میں انصاف سے کام لینا بہت ضروری ہے، لیکن ایک فریق کے حق میں فیصلہ کر کے دوسرے پر سختی بھی نہ کی جائے کہ اگر والدہ کی غلطی ہے تو ان پر سخت کلامی شروع کر دی تو یہ انتہائی غلط رویہ ہو گا۔ ساس بہو کی آپس میں نوک جھونک تو ہوتی ہی رہتی ہے اگر ان میں سے ایک بھی صبر کر لے تو بات لمبی ہی نہ ہو۔ مگر صبر کرنا کسے آتا ہے! صِرف مُنہ سے بول دیا جاتا ہے کہ میں نے صبر کیا ہے۔ اگر واقعی لوگوں میں صبر کرنے کی عادت پیدا ہو جائے تو نہ گھروں میں جھگڑے ہوں، نہ دوستوں میں اور نہ ہی وطنِ عزیز میں لڑائی جھگڑے کی فضا قائم ہو۔ ذاتی جھگڑوں کی اصل وجہ ہی بے صبری ہے۔ اگر کسی نے گالی دی یا کسی قسم کی دھمکی دی یا کچھ ظلم کر دیا تو سامنے والا خاموش رہ کر اِس پر صبر کر کے اس کے نتیجے میں ملنے والے اَجر پر نظر رکھے گا تو قیامت کے دِن مظلوم ہو گا اور اس دِن مظلوم کے ہاتھ میں ظالم کا گریبان ہو گا بلکہ اس ظالم کی نیکیاں بھی اس مظلوم کو دی جائیں گی۔[1] اگر یہ مظلوم ان فوائد پر نظر رکھ کر صبر کر لے تو جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔

بہو میکے میں کسی قسم کی شِکایت نہ کرے

اِسی طرح ساس بہو کے دَرمیان بھی جب کسی بات پر جھگڑا ہو جائے اور ان میں سے کسی ایک کا بالکل قصور نہ ہو یا معمولی سی کوئی غَلَطی ہو تو اسے صبر کرنا چاہیے، جیسے ساس بہو کی لڑائی میں ساس قصور وار ہے اور بہو کا قصور کم ہے یا بالکل نہیں ہے تو بہو کو چاہیے خاموشی اِختیار کرے اور سارا غصہ پی جائے، نہ اپنے شوہر سے اس کا تَذکرہ کرے نہ کسی دوسرے کے سامنے کوئی بات کرے۔ میکے میں تو خواب میں بھی کوئی بات ذکر نہ کرے کہ اصل جھگڑا ہی یہاں سے شروع ہوتا ہے جب عورت اپنے میکے میں ان باتوں کا ذِکر کرتی، اپنی ماں بہنوں کے سامنے خوب بھڑاس نکالتی ہے اور وہ جذبات میں آکر اس کو مزید بھڑکاتی ہیں کہ "تیرے مُنہ میں مونگ بھرے تھے، تو نے اس چڑیل کو جواب کیوں نہیں دیا؟ سُن کر آگئی اب ہم سے کبھی شکایت نہ کرنا۔" بہر حال اِس طرح مائیں بہنیں اسے غَلَط رَویہ اپنانے پر خوب اُکساتی ہیں۔ اگر وہ آکر بتائے کہ میں نے یوں جواب دیا تو وہ اس کو مزید شاباش دیتی ہیں جس کے نتیجے میں خود اپنی بہن یا بیٹی کا گھر اُجاڑ دیتی ہیں۔ البتہ میں ایسے خاندانوں کو بھی جانتا ہوں جو اپنی بچیوں سے یہ کہہ دیتے ہیں: "تو نے ہم سے کسی قسم کی شکایت نہیں کرنی، تجھے جب بھی ہمارے گھر آنا ہو تیرے لیے دَروازے کھلے ہیں لیکن جس دِن لڑ کر آئی تو ہمارا دَروازہ تیرے لیے بند ہے۔" اِس طرح گھر ٹوٹنے سے بچ جاتے ہیں لیکن بعض نادان گھرانوں میں بچیوں کو کہا جاتا ہے ہمارے ہی گھر بیٹھی رہے ہمارے پاس روٹی بہت ہے اور یوں اس کا گھر ٹوٹ جاتا ہے۔

ساس بہو کے جھگڑے کا حل

بہر حال ساس بہو کی لڑائی میں بعض اوقات بہو تیز ہوتی اور ساس بے چاری بوڑھی اور بیمار ہوتی ہے، پھر یہ بہو اپنے شوہر سے مل کر اس بوڑھی ساس کو تنگ کرتی ہے۔ کہیں ساس تیز اور پاور فل ہوتی ہے جو بہو کے ناک میں دَم کر دیتی ہے نیز کبھی نندوں کا مسئلہ بھی ہوتا ہے کہ نند بھاوج کی بھی آپس میں کم ہی بنتی ہے اور اِن وُجوہات کی بِنا پر جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایسے موقع پر اگر بہو یہ سوچ لے کہ میری ساس میری ماں کی جگہ ہے، میری ماں بھی مجھے ڈانٹتی اور بُرا بھلا کہتی تھی اِس کے باوجود میں ان سے لڑائی نہیں کرتی تھی لہٰذا اپنی ساس سے بھی لڑائی نہیں کروں گی۔ اگر یہ ذہن بن جائے گا تو اُمّید ہے بہو کی طرف سے کبھی جھگڑا نہیں ہو گا۔ یوں ہی اگر بہو ساس کو بُرا بھلا کہتی ہے تو ساس اپنا یہ ذہن بنائے کہ میری سگی بیٹی بھی تو مجھے نہیں چھوڑتی، وہ بھی مجھے اُلٹا سیدھا جواب دے دیتی ہے اِس کے باوجود میں نہ تو اس کو ڈانٹتی ہوں اور نہ اس سے نفرت کرتی ہوں بلکہ اس کے لیے میرا پیار بدستور قائم رہتا ہے۔ اب میری بہو اپنا سارا خاندان چھوڑ کر اکیلی ہمارے خاندان میں آگئی ہے اس کے ساتھ بھی محبت بھرا سلوک کرنا چاہیے کہ یہ ہماری ہمدردی کی زیادہ حقدار ہے، اگر اس کے ساتھ یہاں ہمدردی نہ کی گئی تو یہ وقت کیسے گزارے گی!

مسلمان پر اچھا گمان رکھنا واجب ہے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مومن کے فعل یا بات میں اچھا گمان کرنا واجب ہے، یعنی اس کے قول و فعل کو حتی الامکان حُسنِ ظن پر محمول کرنا واجب ہے۔(2) لیکن ہمارے یہاں معاملہ بالکل اُلٹ ہے! اگر بہو مصلے پر بیٹھ کر درود شریف یا تسبیحات وغیرہ پڑھتی ہو تو ساس کہتی ہے: یہ ہم لوگوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکتی ہے، دیکھو مصلے سے ہٹتی ہی نہیں ہے! میری بیٹی بیمار ہو گئی ہے، یہ جادو کر رہی ہے، جب سے یہ چڑیل آئی ہے ہمارے گھر میں مَسائل کھڑے ہو گئے ہیں، نماز میں سجدے میں جا کر ہم کو بد دُعائیں دیتی ہے۔ اگر اس بے چاری نے ان کو دیکھ لیا یا ان کی طرف دیکھ کر سانس لے لیا تو بولتی ہیں ہم پر دَم کر رہی ہے۔ جبکہ سارے مَسائل کی جڑ یہ لوگ خود ہوتے ہیں مگر یہ لوگ اِس طرح کے توہُّمات میں مبتلا ہو کر بد گمانیاں کرتے ہیں حالانکہ بد گمانی گناہ، حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے، اِس کے باوجود کم علمی کی وجہ سے اکثریت اِس میں مبتلا ہے اور گھر گھر میں جنگ چھڑی ہوئی ہے۔

دِینی مَسائل توجہ سے سُنیے

مدنی چینل پر جب اس طرح کے مسائل بیان کیے جاتے ہونگے اور یہ سن رہی ہوں تو بجائے بات سمجھنے کے ایک دوسرے کو دیکھ کر تنبیہ شروع کر دیتی ہوں گی کہ دیکھ! تجھے سمجھایا جارہا ہے۔ ماں بیٹے کو بول رہی ہو گی: سُن لے! تو بہت اس کے حق میں بولتا ہے۔ یوں جو بات سننے سمجھنے کی ہوتی ہے وہ سر سے گزر جاتی ہو گی، سمجھ ہی نہیں آتا ہو گا کہ کیا بولا جارہا ہے! اگر ایک دوسرے پر تنبیہ نہ بھی کریں تو کوئی نہ کوئی غیر متعلقہ بات کر کے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں: کیا کہا تھا؟ اِس طرح پوچھنے سے آگے ہونے والی اہم گفتگو سننے سے رہ جاتی ہو گی۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ جب کبھی ایسی گفتگو ہو تو اپنے اردگرد سے بے پرواہ ہو کر انتہائی توجہ کے ساتھ گفتگو کو سنا جائے کہ مدنی چینل گناہوں بھرا چینل نہیں ہے بلکہ یہ ہمیں اللہ پاک اور اس کے رسول کی باتیں بتاتا ہے۔ تو جب تک ہم کان لگا کر توجہ سے نہیں سنیں گے اور ادھر ادھر نظریں دوڑاتے رہیں گے تو شاید کوئی خاص فائدہ بھی نہ اُٹھا پائیں۔ ممکن ہے کچھ غلط سمجھ کر اٹھیں لہٰذا مدنی چینل پر ہونے والی گفتگو کو کان لگا کر توجہ سے سنا جائے۔ اللہ پاک ہمارے گھروں سے لڑائی جھگڑے ختم کر کے ہمارے گھروں کو امن کا گہوارہ بنادے اور ہم سب ایک دوسرے کا احترام کرنے والے بن جائیں۔ اللہ کرے دِل میں اُتر جائے میری بات۔(3)

---

(1) معجم کبیر، 4/148، حدیث: 3969ماخوذاً (2) فتاویٰ رضویہ، 5/324ماخوذاً
(3) ملفوظاتِ امیرِ اہلِ سنت، 1/398تا 401

اُمِّ میلاد عطاریہ*
*نگرانِ عالمی مجلس مشاورت
(دعوتِ اسلامی)

بھائیوں کی زندگی میں بہنوں کا کردار

اللہ پاک کی عطا کردہ بیش بہا نعمتوں میں سے ایک نعمت خونی رشتے بھی ہیں۔ خونی رشتوں کا لحاظ نہایت اہم ہے، اللہ پاک نے قراٰنِ کریم میں بھی جگہ بہ جگہ اس کا تذکرہ فرمایا اور خونی رشتوں کا احترام کرنے کا حکم دیا اور صلۂ رحمی کرنے والوں کی تحسین کی گئی ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ(۲۱)﴾ ترجمۂ کنزالعرفان: اور وہ جو اسے جوڑتے ہیں جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب سے خوفزدہ ہیں۔[1]

اسلام نے خونی رشتوں کو مضبوط رکھنے کے ایسے احکام بیان فرمائے ہیں کہ جن پر عمل کرنے سے نہ صرف خاندان مضبوط رہتا ہے بلکہ معاشرہ بھی مضبوط ہو جاتا ہے کیونکہ خاندان ہی معاشرے کا بنیادی جز ہے، جس کی مضبوطی معاشرے کی مضبوطی ہے، ان خونی رشتوں میں ماں باپ کے بعد مضبوط، طاقت ور اور طویل رشتہ "بھائی بہن" کا ہے۔

بھائی بہن ساتھ اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، اور ہنستے بولتے ہیں ان کی آپس کی یہ محبت ایک دوسرے کو طاقت فراہم کرتی ہے۔ اسلام چونکہ نہ صرف اکمل مذہب بلکہ دینِ فطرت بھی ہے لہٰذا یہ پیارا مذہب ان تعلقات کو اچھے طریقے سے نبھانے اور ان کی پاسداری کی رہنمائی بھی فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ حدیثِ مبارکہ میں ہے: جس کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں اور اس نے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا اور ان کے بارے میں اللہ پاک سے ڈرتا رہا تو اس کے لئے جنّت ہے۔[2]

جہاں بھائیوں کو بہنوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم ہے وہیں بہنوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ بھائیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ بھائی بہنیں ایک دوسرے کے دکھ درد کا مداوا ہوتے ہیں، مشکلات میں ایک دوسرے کا سہارا بنتے ہیں، لیکن بسا اوقات کچھ وجوہات کی بنا پر بہن بھائی ایک دوسرے کے خلاف ہو جاتے ہیں اور اس طرح ایک دوسرے کی دل آزاری کا سبب بنتے ہیں۔

بعض بہنوں کی یہ سوچ ہوتی ہے کہ بھابھیاں ان کی خدمت کریں، ان کے حصے کے بھی کام کریں۔ بھابھیاں گھر آجائیں تو ہر طرح کے کام انہی کے سپرد ہوں، جبکہ شرعی طور پر ایسا نہیں کہ بھابھی نند کی خدمت کرے۔ بھابھی خاندان کا حصہ ہوتی ہے اور نہ صرف بھائی کی شریکِ حیات ہونے کی حیثیت سے بلکہ ایک مسلمان اور اللہ کی بندی ہونے کی حیثیت سے

بھی نندوں کے لئے قابلِ احترام ہے۔
شادی شدہ بہن اگر میکے جائے تو ہر گز یہ ذہن نہ بنائے کہ بھابھی اس کی خدمت کرے، اس کے بچوں کو سنبھالے، اس کے فرمائشی کھانے بنا کر دے، یقیناً یہ بالکل نامناسب انداز ہے۔ بلکہ بہن کو چاہئے کہ جب وہ میکے جائے تو موقع کی مناسبت سے کم وقت گزارے اور میکے میں بھی اپنے کام خود کرے بلکہ بھابھی کا بھی ساتھ دے۔
بعض بہنیں بھائی سے اس کی شریکِ حیات کے بارے میں منفی (Negative) باتیں کرتی ہیں جیسا کہ تمہاری بیوی گھر صاف نہیں کرتی، میں آتی ہوں تو لفٹ نہیں کرواتی، امّی کا خیال نہیں کرتی۔ اس طرح بھائی کے دل میں اپنی زوجہ کے خلاف باتیں آجاتی ہیں جس سے اس کا انداز اپنی بیوی سے بدل جاتا ہے اور گھر کے ماحول میں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔
اسی طرح بعض بہنیں اپنی بہنوں کو ان کے شوہروں اور سسرال کے خلاف بھی بھڑکاتی ہیں۔ یہ انتہائی برا عمل ہے، نبیِّ کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا فرمانِ معظّم ہے: "جو کسی شخص کی بیوی کو اس کے خلاف بھڑکائے وہ ہم میں سے نہیں۔"[3]
اگر یہ باتیں بے بنیاد ہوں تو ایسی بہنوں کو تہمت کے گناہ کے عذاب میں مبتلا کر سکتی ہیں۔ فرمان آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم ہے: جو کسی مسلمان کو ذلیل کرنے کی غرض سے اس پر الزام عائد کرے تو اللہ پاک اسے جہنّم کے پُل پر اس وقت تک روکے گا جب تک وہ اپنی کہی بات (کے گناہ) سے اس شخص کو راضی کر کے یا اپنے گناہ کی مقدار عذاب پا کر نہ نکل جائے۔[4]
اسلامی احکامات کے لحاظ سے بہنوں کا یہ درست انداز نہیں ہے، انہیں اس سے بچنا چاہئے۔
بعض جگہ بہنوں کا یہ ذہن بھی بنتا جا رہا ہے کہ بھائیوں سے کچھ نہ کچھ ملتا ہی رہے گا، کبھی خوشی کے موقع پر رسم کے نام پر تو کبھی تہوار پر رواج کی صورت میں، کبھی یہ ڈیمانڈ ہوتی ہے کہ جب بھائی کے گھر بچہ پیدا ہو تو بہن کو کوئی بھاری گفٹ، رقم یا سونا وغیرہ دیا جائے، اس طرح کے کئی معاملات اس طرح کی بہنیں کرتی نظر آتی ہیں حالانکہ سوال کرنے سے بچنا چاہئے۔ آج کل کے مہنگائی کے دور میں خواہی نخواہی بھائی کی جیب پر اس طرح کا بوجھ ڈالنا ہر گز مناسب نہیں، اپنے بھائیوں کی خوشیاں دیکھ کر ان کی نعمتوں میں اضافے کے لئے اللہ پاک سے دعا کرنی چاہئے۔
ہاں اگر بھائی صاحبِ حیثیت ہے، خود اپنی خوشی سے دیتا ہے جیسا کہ عموماً گھروں میں معمولی تحفے تحائف دینے کا تو رجحان ہوتا ہی ہے تو اس میں شرعی لحاظ سے کچھ حرج نہیں ہے۔
ایک معاملہ جائیداد کی تقسیم کے معاملے میں دیکھنے میں آتا ہے کہ وہ بہن بھائی جو ایک چھت کے نیچے ایک ہی ماں باپ کے زیرِ سایہ پلے بڑھے ہوتے ہیں اور دنیا کی ذلیل دولت کے پیچھے ایک دوسرے کے سخت مخالف ہو جاتے ہیں۔ وراثت میں اگرچہ بہنوں کا حصہ شرعاً مقرر ہے لیکن بعض بہنیں شرعی تقسیم کی بجائے بھائیوں کے برابر برابر حصوں کا مطالبہ کرتی ہیں جو پھر بہن بھائیوں میں طویل نزاع، خونی رشتوں کے ٹوٹنے اور کئی طرح کے اختلافات کا باعث بنتا ہے۔ کہیں کہیں اس بات پر خاندان کی عزت کورٹ کی نذر ہو جاتی ہے۔
اسلام میں وراثت کے واضح اور مکمل احکام موجود ہیں۔ شریعت کی رو سے جس کا جو جائز حصہ بنتا ہے اَحْسَن انداز میں اسے قبول کر لیا جائے اس سلسلے میں شریعت کی تعلیمات پر عمل کرنے سے کئی مسائل سے بچا جا سکتا ہے۔
بہرحال ایک خاندان کی خوشحالی میں ایک بہن کئی لحاظ سے اپنا کردار ادا کر سکتی ہے لہٰذا کوشش کرنی چاہئے کہ خوشگوار اور اچھا ماحول بنا کر رکھے۔

---

[1] پ 13، الرعد: 21 [2] ترمذی، 3/367، حدیث: 1923 [3] مسند احمد، 9/16، حدیث: 23041 [4] ابو داؤد، 4/354، حدیث: 4883۔

بنتِ اللہ بخش عطاریہ
ہند

اسلام ایک مکمل دین ہے جس نے ہر انسانی تعلق و رشتہ کس طرح نبھایا جائے اپنے ماننے والوں کو سکھایا ہے اور اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے زبانی و عملی ہر دو طرح سے اس تعلق و رشتے کی اہمیت کو اجاگر فرما کر اس کے تفصیلی احکام بھی ارشاد فرمائے۔ انہی میں سے ایک پیارا رشتہ ماں بھی ہے۔ بلاشبہ ماں ایک ایسا رشتہ و تعلق ہے جسے ہر دور میں عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا، مگر اسلام نے اسے جو عظمت عطا فرمائی وہ اپنی مثال آپ ہے، کیونکہ اسلام نے ہر عورت کی تربیت پر خاص توجہ دی تاکہ کل کو جب وہ ماں بنے تو ایک بہترین نسل تیار ہو، لہٰذا اب یہ سب ایک ماں پر ہے کہ وہ چاہے تو اپنی تربیت سے اولاد کو نیک، متقی و پرہیز گار بنا دے اور چاہے تو اپنی اور ان کی دنیا و آخرت کی بربادی کا سبب بن جائے یعنی ایک ماں چاہے تو اولاد کی ایسی تربیت کرے کہ وہ بھی جنتی ہو اور یہ بھی اپنی اولاد کی وجہ سے جنت کی حق دار ٹھہرے اور اگر چاہے تو اس کے ساتھ ساتھ اپنے لئے بھی جہنّم میں جانے کے اسباب پیدا کر دے۔ ماں اگر دنیا سے چلی بھی جائے تو اس کی تربیت کے اثرات اولاد کے وجود سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ایک بہترین خاندان کی تشکیل میں ماں کا کردار انتہائی اہم ہے، لہٰذا اس حوالے سے ہر ماں کو ذیل کی بنیادی باتیں اچھی طرح یاد رکھنی چاہئیں:

ماں ایک ایسی ٹیچر ہے جو اپنی اولاد کو اس وقت بھی سکھا سکتی ہے جب اولاد اس کے پیٹ ہی میں ہو، جیسا کہ حضور غوثِ پاک[1] اور خواجہ بختیارُ الدّین کاکی[2] رحمۃ اللہ علیہما نے اپنی اپنی والدہ ماجدہ کے پیٹ میں رہ کر قرآنِ کریم کے کئی کئی پارے زبانی یاد کر لئے تھے۔ لہٰذا خواتین کو چاہئے کہ وہ امید سے ہوں تو ہمیشہ پاک و صاف رہیں، قرآنِ کریم کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کرتیں، اللہ و رسول کے ذکر سے بھی اپنی زبان کو ہمیشہ تر رکھیں اور شرعی احکام کا بھی خیال رکھیں تاکہ دنیا میں آنے والے ننھے مہمان پر بھی اس کے اچھے اثرات پڑیں اور اس کی رگ رگ میں اللہ و رسول کی محبت جوش مارے۔

نیز ہر ماں کو سیدہ خاتونِ جنت کی سیرتِ طیبہ کا یہ پہلو ہر لحہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ آپ کھانا پکاتے وقت بھی قرآنِ پاک کی تلاوت کرتی رہتی تھیں اور اسی طرح جب ان کے شہزادے امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما سو رہے ہوتے تو ایک طرف آپ ہاتھوں سے پنکھا جھول رہی ہوتیں تو دوسری طرف زبان سے کلامِ الٰہی کی تلاوت سے اپنے بچوں کے دل و دماغ کو منوّر فرما رہی ہوتیں۔[3] یقیناً یہ سیدہ خاتونِ جنت کی تربیت ہی تھی کہ آپ نے امام حسین کو تلاوتِ قرآن کی جو لوریاں سنائی تھیں وہ ان کے لہو میں اس طرح رچ بس گئیں کہ اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی نیزے کی نوک پر آپ کی زبانِ حق سے تلاوت جاری تھی۔ مگر افسوس! آج کی خواتین ٹک ٹاک، یوٹیوب اور فیس بک وغیرہ کے استعمال کی اتنی عادی ہو چکی ہیں کہ انہیں اس کے بغیر نیند آتی ہے نہ چین۔ وہ مختلف سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر موجود فلموں، ڈراموں اور شارٹ کلپس کو دیکھتے ہوئے اپنا اکثر وقت گزار لیتی ہیں مگر انہیں اللہ و رسول کے ذکر کے لئے وقت ملتا ہے نہ پنج وقتہ نماز

کے لئے وہ فارغ ہوتی ہیں۔ نتیجتاً ان کے پیٹ میں پلنے والی اولاد ان سے متاثر ہو کر جب دنیا میں آتی ہے تو اس سے یہ مائیں توقع کئے بیٹھے ہوتی ہیں کہ وہ وقت کے وَلِیُّ اللہ بنیں گے، بلاشبہ یہ ان خواتین کی غلط فہمی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو تربیت تو ڈکیتی کی دیں اور ان سے عزتوں کی حفاظت کی توقع رکھیں!

ہر ماں کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ بچہ سب سے پہلے اپنی ماں سے سیکھتا ہے، پیٹ میں ہوتا ہے تو اپنی ماں کے خون سے خوراک حاصل کرتا ہے اور پیدا ہونے کے بعد ماں کے خون کا جوہر یعنی دودھ پیتا ہے، لہٰذا جب کبھی ماں کچھ بدپرہیزی کر بیٹھے تو اس کا اثر بچے کی طبیعت پر ہوتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ بچہ اپنی ماں کے جذبات و احساسات کو محسوس نہ کرے! حالانکہ یہ عام تجربے کی بات ہے کہ ایک نوزائیدہ بچہ اپنی حقیقی ماں کے لمس کو فوری پہچان جاتا ہے۔ حالانکہ وہ ابھی شعور کی حدوں سے بہت دور ہوتا ہے پھر بھی اپنی ماں کو پہچان لیتا ہے، یہ سب باتیں ایسی ہیں جو ہر ماں جانتی ہے۔

افسوس! دینی شعور نہ ہونے کی وجہ سے آج کی خواتین اس بات کا تو خاص خیال رکھتی ہیں کہ وہ اپنے سمجھ دار بچوں کے سامنے کوئی ایسا کام نہ کریں جو ان کے دل و دماغ پر غلط تاثر کا باعث بنے مگر وہ اس بات کا بالکل خیال نہیں رکھتیں کہ جب بچہ ان کے پیٹ میں ہوتا ہے تو وہ اس وقت بھی ان سے بہت کچھ سیکھ رہا ہوتا ہے، لہٰذا انہیں اس وقت بھی کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے کہ جس سے بچے پر غلط تاثر پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔ لہٰذا ہر ماں کو یہ بات ہر وقت یاد رکھنی چاہئے کہ بچے ہمیشہ اپنی ماں کی حرکات و سکنات اور جذبات و احساسات سے متاثر ہوتے ہیں اور ماں انہیں کچھ سکھائے یا نہ سکھائے بچے ان حرکات و سکنات اور جذبات و احساسات کا اظہار ضرور کرتے ہیں، کیونکہ ہر ماں اپنے بچوں کے لئے اولین رول ماڈل کی حیثیت رکھتی اور پہلی درس گاہ ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر خاتون کو چاہیے کہ جب وہ امید سے ہو اور جلد ہی ماں کا رتبہ پانے والی ہو تو وہ اپنے کردار کو شریعت و سنت کے سانچے میں ڈھالے، غیر شرعی کاموں سے بچے، شرعی احکام پر عمل اور گناہوں سے بچنے کے معاملے میں بالکل بھی سستی نہ دکھائے، نیز اپنا کردار ہر حوالے سے پاکیزہ رکھے ان شاء اللہ اس کی اولاد بھی پیدا ہونے کے بعد نیک نمازی، فرائض و واجبات اور سنتوں کی پابند اور فرمانبردار ہو گی اور یہ سب باتیں اسے اپنے بچوں کو سکھانے کی ضرورت بھی نہیں ہو گی، کیونکہ اس کے بچوں نے اسی کے خون اور دودھ سے پرورش پائی ہوتی ہے جس کی تاثیر انہیں کبھی بھی غلط راہوں پر چلنے نہ دے گی۔

ہاں! تقدیر کا لکھا غالب آجائے اور وہ بڑے ہو کر بُری صحبت کا شکار ہو جائیں اور شیطان کے ہتھے چڑھ کر سیدھے راستے سے بھٹک جائیں تو یہ الگ بات ہے۔ بہر حال ہر ماں کو چاہئے کہ وہ اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کرے کہ اس کی اولاد سیدھے راستے پر رہے۔ اگرچہ ان کی تقدیر کے معاملات اس کے بس میں نہیں، لیکن پھر بھی وہ ہمیشہ ان کے لئے دعا کرتی رہی۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر ماں کی دعا اپنی اولاد کے حق میں قبول ہوتی ہے اور اس کی دعا کی برکت سے اس کی اولاد کی دنیا و آخرت سنور سکتی ہے۔ لہٰذا ہر ماں کو چاہیے کہ ہر وقت اپنی اولاد کے اچھے مستقبل، دنیا، قبر اور آخرت کے مراحل میں کامیابی اور جنت میں بے حساب داخلے کی دعائیں کرتی رہے۔ جیسا کہ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ کو عَتِیْق کہنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ آپ کی والدہ کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا، جب آپ کی ولادت ہوئی تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر بیتُ اللہ شریف گئیں اور گڑگڑا کر یوں دُعا مانگی: اے میرے مولیٰ! اگر میرا یہ بیٹا موت سے آزاد ہے تو یہ مجھے عطا فرما دے، اس کے بعد آپ کو عَتِیْق کہا جانے لگا۔[4]

---

1 الحقائق فی الحدائق، ص140 2 ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، ص481 3 سفینۂ نوح، حصہ دوم، ص35 4 تاریخ الخلفاء، ص22

اُمُّ المومنین حضرت سَودہ

(قسط 2)

گزشتہ سے پیوستہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دوسری زوجہ اُمُّ المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور ان کے خاندان کا مختصر تعارف گزر چکا۔ آیئے! اب ان کے متعلق مزید جانتی ہیں:

سیدہ سودہ کے خاندان کے تعارف میں گزرا کہ سیدہ سودہ کے ساتھ آپ کے خاندان بنو قیس میں سے کئی افراد ابتدائے اسلام میں ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے، اگرچہ یہ تو کسی سیرت نگار نے کنفرم نہیں کیا کہ سیدہ سودہ اور ان کے خاندان کے باقی لوگ کب اسلام لائے؟ البتہ سب کا اس بات پر اتفاق ضرور ہے کہ سب قدیم الاسلام ہیں اور تقریباً سبھی اپنے خاندان کی اسلام دشمنی کی وجہ سے دوسری ہجرتِ حبشہ میں شریک تھے۔

سیدہ سودہ سے نکاح کی حکمت و دیگر اسباب

یہ ہجرت نبوت کے پانچویں سال کے آخر یا چھٹے سال کے شروع میں ہوئی تھی، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے شوہر یعنی حضرت سکران رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ گئیں مگر یہ دونوں کب اور کیوں واپس تشریف لے آئے؟ اس کے متعلق کسی بھی سیرت نگار نے کچھ وضاحت نہیں کی، البتہ یہ بات یقینی ہے کہ ان کی واپسی کا وقت اسلام کے نام لینے والوں کے لئے انتہائی مشکل تھا۔ انہیں اسلام سے پھیرنے کے لئے ہر طرح کے ظلم و ستم کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا کہ اسی دوران سیدہ سودہ کے شوہر حضرت سکران کا بھی انتقال ہو گیا۔[1] ایک روایت کے مطابق حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر حضرت سکران رضی اللہ عنہ کا انتقال مکہ مکرمہ میں نہیں بلکہ حبشہ میں ہی ہو گیا تھا۔[2]

بہر حال اگر یہ دونوں ہستیاں اس وقت واپس تشریف لائیں جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور ان کے خاندان بنو ہاشم شعبِ ابی طالب میں قید تھے اور پورا کفرستان ایک طرف تھا، کوئی بھی مسلمان ان کفار کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھا تو ان مشکل حالات کا بس تصور ہی کیا جاسکتا ہے اور اگر یہ مانا جائے کہ یہ دونوں ہستیاں اس وقت واپس آئیں جب یہ بائیکاٹ ختم ہو چکا تھا تو پھر بھی حالات کچھ زیادہ اچھے نہ تھے۔ چنانچہ

حبشہ سے لوٹنے کے بعد جب آپ کے شوہر وفات پا گئے اور آپ اکیلی رہ گئیں، کوئی ان کی کفالت کرنے والا تھا نہ کوئی مددگار۔ شوہر کی وفات کے بعد اگر آپ اپنے خاندان میں واپس جاتیں تو وہ ان کو شرک اختیار کرنے پر مجبور کرتے یا انہیں سخت تکلیفیں دیتے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کفالت کے لیے ان سے نکاح کو اختیار فرمایا جو بلاشبہ اللہ و رسول پر ان کے ایمان و اخلاص کی سچائی کی وجہ سے کرم کی انتہا ہے، کیونکہ یہ تقریباً 55 سال کی تھیں اور اگر حضور چاہتے تو سیدہ خدیجہ کے بعد کسی بھی نوجوان اور خوبصورت کنواری عورت سے شادی فرما سکتے تھے، مگر آپ چونکہ بہادری و مُرُوّت

کی اعلیٰ مثال تھے، لہٰذا آپ کے سیدہ سودہ سے نکاح کو ترجیح دینے کی حکمت یہی سمجھ میں آتی ہے کہ آپ کا مقصود ان کی حمایت اور رعایت تھی تاکہ وہ آپ کی کفالت میں رہیں۔[3]

اللہ پاک کی بھی مرضی یہی تھی کہ اس کے آخری اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم سیدہ خدیجہ کے وصال کے بعد سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمائیں۔ اس بات کا سیدہ سودہ کو اپنے شوہر کی زندگی میں ہی کچھ کچھ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ عنقریب حضور کے نکاح میں آنے کا شرف پائیں گی۔ کیونکہ حبشہ سے واپسی کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو دو عجیب خواب نظر آئے تھے جن کی تعبیر ان کے شوہر حضرت سکران بن عَمرو رضی اللہ عنہ نے یہ بتائی تھی کہ عنقریب وہ فوت ہو جائیں گے اور ان کے بعد سیدہ سودہ حضور سے نکاح کی سعادت پائیں گی۔ چنانچہ

آپ کے خوابوں کے متعلق حضرت عبدُ اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم پیدل چلتے ہوئے ان کی طرف تشریف لائے اور ان کی گردن پر اپنا مقدس پاؤں رکھ دیا۔ جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے یہ خواب اپنے شوہر کو بتایا تو انہوں نے کہا: اگر آپ کا خواب سچا ہے تو یقیناً میں مر جاؤں گا اور حضور آپ سے نکاح فرمائیں گے۔ اس کے بعد دوسری رات میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے یہ خواب دیکھا کہ چاند ٹوٹ کر ان کے سینے پر گرا ہے۔ انہوں نے اس خواب کا بھی اپنے شوہر سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا: اگر آپ کا یہ خواب بھی سچا ہے تو میں بہت جلد انتقال کر جاؤں گا اور آپ میرے بعد حضور سے نکاح کریں گی۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ اسی دن حضرت سکران رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے اور چند دنوں کے بعد وفات پا گئے اور ان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا۔[4] شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کسی کو بھیج کر ان سے پوچھا کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کی شادی کسی اور سے کروا دوں؟ تو آپ نے عرض کی: میری ہمت بلند ہے! اگر میں شادی کروں گی تو آپ ہی سے کروں گی۔ پھر حضرت جبریل امین علیہ السلام تشریف لائے اور حضور کو اللہ پاک کا یہ پیغام دیا کہ سودہ کو مایوس نہ کریں، انہیں نکاح میں لے آئیں۔[5]

یاد رکھئے! سیرت اور تاریخ سے متعلق روایات میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی بنیادی وجہ اس وقت کی اہم باتوں کو نہ لکھا جانا بھی ہے۔ چنانچہ یہ سب باتیں سینہ بہ سینہ روایت ہوتی رہیں، پھر جب علوم کو ترتیب دینے کی طرف علمائے کرام کی توجہ ہوئی اور انہوں نے ان سب باتوں کو لکھنا چاہا تو جن افراد سے جو سنا وہی لکھ دیا۔ اسے یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ آج ہم سے کوئی ہمارے یا ہمارے والدین کے بچپن یا جوانی کی باتیں پوچھے تو اگرچہ ہمیں اپنے والدین یا دیگر رشتے داروں سے کچھ نہ کچھ باتیں معلوم تو ہو جاتی ہیں مگر ضروری نہیں کہ ہم کسی واقعے کو اسی طرح مکمل بیان بھی کر سکیں، نیز یہ بھی ممکن نہیں کہ ہم ایک ہی واقعے کو جب بھی بیان کریں تو ہر بار ہمارے الفاظ ایک جیسے ہوں، کیونکہ عام طور پر کوئی بھی واقعہ بیان کرنے کے لئے یادداشت کا سہارا لیا جاتا ہے، الفاظ رٹے ہوئے نہیں ہوتے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ ایک بار ایک واقعہ مکمل تفصیلات کے ساتھ بیان کیا جائے اور دوسری بار اختصار کے ساتھ۔ لہٰذا اگر سیرت یا تاریخ کی کسی کتاب میں کوئی ایسی بات نظر آئے تو اسی کو حرفِ آخر نہیں سمجھ لینا چاہئے، ہو سکتا ہے کہ اسی واقعے کو دیگر کتابوں میں کسی اور طرح بیان کیا گیا ہو یا پھر اس کی مزید تفصیلات بھی موجود ہوں۔ چنانچہ

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے متعلق ابھی جو باتیں بیان ہوئیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ایمان و اخلاص کے سبب آپ کو یہ شرف عطا ہوا کہ آپ تمام مومنین کی ماں بن گئیں، دوسرا یہ کہ آپ ان تمام اوصاف و خصوصیات کی بھی حامل تھیں جن کا اس وقت حضور کی پاک بیوی میں پایا جانا انتہائی ضروری تھا۔

البتہ! دیگر کئی سیرت نگاروں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ سیدہ خدیجہ اور ابو طالب کے بعد حضور کے غم کو دیکھتے ہوئے صحابہ کرام نے یہ فیصلہ فرمایا کہ حضور کی خدمت کے لئے کوئی ایسا جانثار ہونا چاہئے جو گھر میں حضور کے آرام کا خاص خیال رکھے اور چونکہ ایسا کسی سچی عاشقِ رسول کے بغیر ممکن نہ تھا لہٰذا ان کی نگاہ میں بھی اس وقت سیدہ سودہ کے علاوہ کوئی اور نام نہ آیا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضور کے رضاعی بھائی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی صاحبہ حضرت خَولہ بنتِ حکیم رضی اللہ عنہا نے ایک دن موقع غنیمت جان کر بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم! میرا خیال ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نہ ہونے کی وجہ سے آپ کو تنہائی نے گھیر لیا ہے! تو آپ نے فرمایا: ہاں! وہ میرے بچوں کی ماں اور گھر کی نگہبان تھی۔[6] حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: آپ دوبارہ شادی کیوں نہیں فرما لیتے؟ پوچھا: کس سے؟ عرض کی: اگر چاہیں تو کنواری سے اور اگر چاہیں تو کسی طلاق یافتہ یا بیوہ سے۔ فرمایا: کنواری کون ہے؟ عرض کی: اللہ پاک کی مخلوق میں آپ کے سب سے زیادہ پسندیدہ شخص یعنی حضرت ابو بکر صِدّیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ پھر جب حضور نے ان سے طلاق یافتہ یا بیوہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے حضرت سَودہ کا ذکر کرتے ہوئے عرض کی: وہ آپ پر ایمان لائی ہیں اور آپ کی ہر بات پر دل و جان سے عمل کرتی ہیں۔ اس پر حضور نے دونوں کو نکاح کا پیغام دینے کی اجازت دے دی۔ لہٰذا اجازت پا کر حضرت خَولہ پہلے حضرت ابو بکر صدیق کے ہاں تشریف لے گئیں اور ان سے اس سلسلے میں بات چیت کی، پھر حضرت سَودہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر جب انہیں یہ خوش خبری سنائی تو (وہ اس سعادت کو پاکر بھی فوری راضی ہو گئیں مگر) انہوں نے اس حوالے سے اپنے والد کے پاس جا کر بات کرنے کا کہا، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے والد بہت زیادہ بوڑھے تھے۔ حضرت خَولہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس تشریف لے آئیں اور زمانۂ جاہلیت کے دستور کے مطابق سلام کیا۔ اُنہوں نے پوچھا: کون ہے؟ کہا: خولہ بنتِ حکیم۔ پوچھا: کیا کام ہے؟ کہا: مجھے حضرت محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بھیجا ہے تاکہ میں ان کی طرف سے سودہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دوں۔ اس پر اُنہوں نے کہا: کفو[7] تو اچھا ہے، تمہاری سہیلی (یعنی سیدہ سودہ) اس بارے میں کیا کہتی ہے؟ حضرت خَولہ نے جب یہ بتایا کہ انہیں یہ رشتہ پسند ہے، تو انہوں نے کہا: اسے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ حضرت خَولہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں حضرت سَودہ رضی اللہ عنہا کو ان کے والد کے پاس لائی تو وہ حضرت سَودہ رضی اللہ عنہا سے کہنے لگے: اے میری بچی! یہ کہتی ہے کہ محمد بن عبدُ اللہ نے تمہاری طرف نکاح کا پیغام بھیجا ہے اور وہ اچھے کفو ہیں۔ کیا تمہیں پسند ہے کہ میں تمہاری شادی اُن سے کر دوں؟ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: جی ہاں۔ حضرتِ سَودہ رضی اللہ عنہا کی رائے معلوم کرنے کے بعد آپ کے والد زَمعَہ بن قیس کہنے لگے: اِنہیں (یعنی حضور کو) میرے پاس بُلائیے۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا آپ کے ساتھ نِکاح کر دیا۔ سیدہ سودہ کا بھائی عبد بن زمعہ اس وقت موجود نہ تھا، جب وہ واپس آیا تو اپنے سر پہ مٹی ڈالنے لگا، لیکن اسلام کی دولت ملنے کے بعد انہیں اپنے کئے پر افسوس ہوتا رہا۔[8] تو اس طرح حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حضور کے نکاح میں آکر مومنوں کی ماں بن گئیں۔ اعلانِ نبوت کے 10 ویں سال، شَوّالُ المُکَرَّم کے مقدس مہینے میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے آپ سے نکاح فرمایا[9] اور آپ کا حق مہر چار سو دینار طے پایا۔[10]

---

(1) عیون الاثر، 2/393 (2) اسد الغابہ، 2/482 (3) شبہات و اباطیل حول تعدد زوجات الرسول، ص 38 (4) طبقات ابن سعد، 8/45 (5) معارج النبوۃ، 3/72 (6) طبقات ابنِ سعد، 8/46 (7) محاورۂ عام (یعنی عام بول چال) میں فقط ہم قوم کو کفو کہتے ہیں اور شرعاً وہ کفو ہے کہ نسب یا مذہب یا پیشے یا چال چلن یا کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح ہونا عورت کے باپ دادا وغیرہ کے لئے عرفاً شرمندگی و بدنامی کا سبب ہو۔ (فتاویٰ ملک العلما، ص206) (8) مسند احمد، 10/29، حدیث: 25827 ملتقطاً (9) طبقات ابن سعد، 8/42، رقم: 4127 (10) عیون الاثر، 2/393

اسلامی بہنوں کے شرعی مسائل

1 ناپاک زمین پنکھے کی ہوا سے خشک ہو جائے تو پاک ہو جائے گی؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ چھوٹا بچہ کمرے میں پیشاب کر دے تو کمرے میں دھوپ تو نہیں آتی کہ پیشاب اس سے خشک ہو، البتہ پنکھے کی ہوا سے خشک ہو جائے گا تو کیا اس سے بھی زمین پاک ہو جائے گی؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

ناپاک زمین اگر خشک ہو جائے اور اس سے نجاست کا اثر یعنی رنگ و بو جاتا رہے، تو وہ پاک ہو جاتی ہے اور اس کا دھوپ ہی سے خشک ہونا ضروری نہیں، بلکہ دھوپ کے علاوہ آگ یا ہوا وغیرہ سے خشک ہو جائے تب بھی پاک ہو جائے گی، لہٰذا پوچھی گئی صورت میں اگر پیشاب کی جگہ پنکھے وغیرہ کی ہوا سے خشک ہو گئی اور اس سے نجاست کا اثر بھی جاتا رہا، تو وہ پاک ہو گئی۔ خیال رہے زمین کی پاکی کا یہ حکم تیمم کے علاوہ نماز وغیرہ دیگر مسائل میں ہے، تیمم کے حق میں نہیں ہے یعنی اس مٹی سے تیمم نہیں ہو سکتا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم

مصدق	مجیب
مفتی فضیل رضا عطاری	مولانا محمد سرفراز اختر عطاری

2 میاں بیوی میں علیحدگی کے بعد جہیز کس کا ہو گا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس بارے میں کہ میاں بیوی میں علیحدگی ہو جائے تو جہیز کے متعلق حکمِ شرعی کیا ہے؟ یعنی عورت جو سامان اپنے گھر سے لائی اور جو اسے لڑکے والوں نے دیا مثلاً زیور، سامان وغیرہ، وہ کس کا ہو گا؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جہیز عورت کی ملکیت ہے، وہ ہی لے گی کیونکہ والدین جہیز اپنی بیٹی ہی کو مالکہ بناتے ہوئے دیتے ہیں۔

شوہر یا اس کے گھر والوں کی طرف سے ملنے والے سامان اور زیورات وغیرہ میں تین صورتیں ہوتی ہیں:

1 شوہر یا اس کے گھر والوں نے صراحتاً (واضح طور پر) عورت کو سامان اور زیورات دیتے وقت مالک بناتے ہوئے قبضہ دیا تھا۔

2 شوہر یا اس کے گھر والوں نے صراحتاً عورت کو سامان اور زیورات عاریتاً (یعنی عارضی استعمال کیلئے) دیئے تھے۔

3 شوہر یا اس کے گھر والوں نے دیتے وقت کچھ بھی نہیں کہا تھا۔

پہلی صورت میں عورت سامان اور زیورات کے ہبہ یعنی گفٹ کیے جانے کی وجہ سے مالکہ ہے، اسی کو یہ سب دیا جائے گا۔ دوسری صورت میں جس نے دیا وہی مالک ہے، وہ واپس لے سکتا ہے۔ اور تیسری صورت میں شوہر کے خاندان کا رواج دیکھا جائے گا، اگر وہ عورت کو ان اشیاء کا مالک بناتے ہیں تو عورت کو دیا جائے گا ورنہ وہ حقدار نہیں، اس سے واپس لیا جا سکتا ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــہ

مفتی فضیل رضا عطاری

بنتِ منصور عطاریہ مدنیہ
سمن آباد لاہور

شادی میں جہاں لڑکی والوں کی جانب سے جہیز کا انتظام کیا جاتا ہے تو وہیں لڑکے والوں کی جانب سے بَری دی جاتی ہے جس میں لڑکی کے کپڑے، میک اپ بکس، زیور، عبایا اور دیگر ضروری چیزیں شامل ہوتی ہیں۔ اس کو جوڑے کی رسم، ڈال بَری یا صرف بَری کی رسم بھی کہتے ہیں۔ لڑکے والوں کے ہاں شادی سے متعلق یہ سب سے پہلی رسم ہوتی ہے جو کہ عموماً شادی سے ایک دن پہلے ہونے والی مہندی کی تقریب میں ہی کی جاتی ہے، بَری میں دی گئی تمام چیزوں کو سجا کر رکھا جاتا ہے اور اس کی نمائش کی جاتی ہے۔

معاشرے میں رائج بَری کی مختلف صورتیں

بَری کا رواج ہمارے ہاں بہت عام ہے۔ البتہ مختلف شہروں اور علاقوں میں یہ کچھ فرق کے ساتھ رائج ہے، مثلاً

☆ بعض جگہوں پر بَری کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا جاتا بلکہ جب شادی کے دن قریب آتے ہیں تو لڑکے والوں کے ہاں لڑکی والوں کی آمد پر وہ سامان ان کو دکھا دیا جاتا ہے۔

☆ بعض جگہوں پر اس کا باقاعدہ اہتمام ہوتا ہے اور ایک الگ دن مختص کیا جاتا ہے جسے جوڑے کا دن کہتے ہیں، اس میں لڑکے والے اپنے رشتہ داروں کو بَری کا سب سامان دکھاتے ہیں، پھر وہ سارا سامان لڑکی کے ہاں رشتہ داروں کے ساتھ لے کر جاتے ہیں، جہاں یہ سامان سب لڑکی والوں اور ان کے رشتہ داروں کو دکھایا جاتا ہے۔ چونکہ بری کا معاملہ لڑکے والوں کا ہوتا ہے اور مہمان بھی انہی کے ہوتے ہیں، لہٰذا لڑکے والے ان کی مہمانی و چائے پانی خود ہی کرتے ہیں۔ نیز اس کے لیے سب سامان یا پھر مکمل خرچ لڑکی والوں کو دیتے ہیں۔

☆ دیہاتوں میں چونکہ صحن بڑے ہوتے ہیں، لہٰذا وہاں ایک عورت چارپائی یا بلند جگہ کھڑی ہو جاتی ہے، اس کے آس پاس خواتین جمع ہو جاتی ہیں، پھر وہ عورت بری کا سامان اٹھا اٹھا کر سب کے سامنے دکھاتی ہے۔

☆ بعض علاقوں یا قوموں میں یہ رواج بھی عام ہے کہ لڑکے والے بَری کا سامان لڑکی کے گھر چھوڑ آتے ہیں جس کی واپسی بارات والے دن دلہن کے ساتھ ہوتی ہے۔

☆ بعض جگہ یہ بھی معمول ہے کہ بارات میں ہی لڑکے والے بڑے بڑے صندوقوں میں انتہائی خوبصورت پیکنگ میں بری کا سامان لپیٹ کر لے جاتے اور وہیں اسٹیج پر سارے سامان کی نمائش کرتے ہیں۔

بَری کی ناجائز و نامناسب باتیں

بَری کی رسم اگرچہ شرعاً جائز ہے جیسا کہ بہارِ شریعت میں بھی ہے کہ ڈال بَری کی رسم کہ کپڑے وغیرہ بھیجے جاتے ہیں جائز ہے۔[(1)] مگر اس میں کچھ ایسی فضول اور واہیات باتیں شامل ہو چکی ہیں کہ جن کی وجہ سے اس رسم کی ادائیگی نہ کرنا ہی بہتر ہوتا ہے اور وہ باتیں ایسی ہیں جن کا دور کیا جانا انتہائی ضروری ہے، مگر افسوس! اب انہی غلط باتوں کو اس رسم کا باقاعدہ حصہ سمجھا جا رہا ہے، حالانکہ ان کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ یہاں چند ایسی ہی باتیں ذکر کر کے ان کا جائزہ لیا جائے گا۔ چنانچہ

☆ صرف فخر و دکھلاوے اور اپنے سے کم حیثیت لوگوں

بالخصوص رشتے داروں کو نیچا دکھانے کے لیے بَری کے سامان کی خوب نمائش کی جاتی ہے، ایسی نمائش چاہے ہال کے اسٹیج پر ہو یا گھر پر، جب کسی کا دل دکھانے کا سبب ہو تو کسی صورت درست نہیں۔ کیونکہ ہمارے دین نے ہمیں سکھایا ہے کہ اگر پڑوسی کی حیثیت کمزور ہو اور وہ ہماری طرح اپنے بچوں کو پھل وغیرہ خرید کر نہ کھلا سکتا ہو تو ہمیں بھی اپنے گھر میں پھل وغیرہ چھپا کر لانے چاہئیں اور اپنے بچوں کو بھی منع کرنا چاہئے کہ وہ پڑوسیوں کے بچوں کے سامنے نہ کھائیں۔[2] افسوس! آج تو سب کے سامنے سفید پوش رشتے داروں کو نیچا دکھانے کے لئے ایسا کیا جارہاہے! لہٰذا یہ سب کیسے درست ہو سکتا ہے!

☆بسا اوقات لڑکی والے خود ڈیمانڈ کرتے ہیں کہ ہمیں بَری میں فلاں فلاں سامان چاہیے اور فلاں چیز فلاں کمپنی کی ہی ہونی چاہئے۔ چنانچہ یوں ڈیمانڈ پوری نہ ہونے یا اسی کمپنی کی پراڈکٹ نہ ملنے کی وجہ سے بعض اوقات بات جھگڑے تک جا پہنچتی ہے، اگر یہ معاملہ خیریت سے نپٹ جائے تو بظاہر سب خوش ہو جاتے ہیں مگر اس وجہ سے دو خاندانوں کے درمیان جو نئے رشتے کی بنیاد رکھی جارہی ہوتی ہے اس میں دراڑ ضرور پیدا ہو جاتی ہے چاہے وہ بال سی باریک ہی ہو۔

☆کئی علاقوں میں نوجوان لڑکے لڑکیاں ڈھول تاشوں کی آواز پر ناچتے گاتے بری اور مٹھائی لے کر جاتے ہیں۔ اس طرح ناچتے گاتے جانا اور پھر لڑکے لڑکیوں کے آپس کے بھی ناجائز ہونے میں کوئی شک نہیں۔

☆جب سامان ظاہر کیا جاتا ہے تو اس پر رشتے دار وغیرہ خوب تبصرے کرتے ہیں، ہر ہر چیز کو ہاتھ لگا کر چیک کیا جاتا ہے، ہر چیز کے معیار کو پرکھا جاتا ہے اور برانڈ بھی دیکھا جاتا ہے، بلکہ یہاں تک پوچھا جاتا ہے کہ یہ شاپنگ کس شاپنگ مال وغیرہ سے کی ہے۔ بعض نادانوں کی جانب سے غیبتوں اور دل دکھانے کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کہ فلاں سوٹ کتنا ہلکا ہے، فلاں چیز نہیں دی، اس کی کوالٹی تو بہت ہلکی ہے، زیور عیب دار ہے، اس کا ڈیزائن بہت پرانا ہے، انہیں فیشن کا بھی معلوم نہیں کہ آج کل کیا چل رہا ہے! وغیرہ وغیرہ۔

ایسے تبصرے کرنا عموماً ان خواتین کی عادت ہوتی ہے جو اپنی ہر چیز کو بہتر اور دوسروں کی ہر چیز کو کم تر جانتی ہیں۔ حالانکہ ایک مسلمان کی غیبت کرنا اور دل دکھانا سراسر نقصان دہ ہے، نیز کسی مسلمان کو تکلیف دینا ناجائز و حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے۔ مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے والوں پر جہنم میں ایسی خارش مسلط کر دی جائے گی کہ وہ اپنے جسم کو اتنا کھجلائیں گے کہ ہڈی ظاہر ہو جائے گی۔[3]

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ ایمان والوں کو تکلیف دینا گویا کہ حضور کو تکلیف دینا اور حضور کو تکلیف دینا گویا کہ اللہ پاک کو تکلیف دینا ہے۔[4] لہٰذا عبرت پکڑیئے اور دوسروں کا دل دکھانے سے باز آجائیے۔

☆بسا اوقات لڑکی والے خود بھی ایسے منفی تبصرے کرتے نظر آتے ہیں حالانکہ خود انہوں نے جہیز دیتے ہوئے لڑکے والوں کی پسند و ناپسند کا خیال نہیں کیا ہوتا مگر لڑکے والوں سے اس کی توقع رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ہر کسی کی پسند مختلف ہوتی ہے، کوشش ہر ایک کی یہی ہوتی ہے کہ چیز اچھی ہو، جان بوجھ کر گھٹیا چیز کوئی خریدتا ہے نہ ایسے مواقع پر دی جاتی ہے، لہٰذا خواہ مخواہ کی بدگمانیاں پیدا کرنے کے بجائے اچھا گمان رکھیے کہ نیک مومن کے ساتھ بُرا گمان منع ہے۔[5] اللہ پاک امان عطا فرمائے اور ہر ہر لمحہ ہمیں اپنی اطاعت کے مطابق گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اٰمِین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم

---

1. بہار شریعت، 2/105، حصہ: 7
2. شعب الایمان، 7/83، حدیث: 9560
3. احیاء العلوم، 2/242
4. تفسیر روح البیان، 7/239
5. تفسیر خزائن العرفان، ص950

معاف کرنا

بنتِ شکیل عطاریہ
درجۂ ثالثہ، فیضانِ فاطمۃ الزہراء صدر راولپنڈی

(نئی رائٹرز کی حوصلہ افزائی کے لئے یہ مضمون 48ویں تحریری مقابلے سے منتخب کرکے ضروری ترمیم واضافے کے بعد پیش کیا جارہا ہے)

بدلہ لینے کی طاقت ہونے کے باوجود دوسروں کی غلطیوں اور زیادتیوں پر درگزر سے کام لینا اور ان پر مہربان ہونا اسلامی تعلیمات کا خاصہ ہے، جیسا کہ اللہ پاک نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو اس کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: خُذِ الْعَفْوَ (پ9، الاعراف:199) ترجمہ: اے حبیب! معاف کرنا اختیار کرو۔ نیز دوسروں کی غلطیوں سے درگزر کرنا رب کریم کو بہت پسند ہے، جیسا کہ پارہ 4 سورۂ اٰلِ عمران کی آیت نمبر 134 میں اللہ پاک کا فرمان ہے: وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ترجمہ: اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ نیک لوگوں سے محبت فرماتا ہے۔ بے شک جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا اور جو معاف نہیں کرتا اس کو معاف نہیں کیا جاتا۔[1]

بدقسمتی سے آج ہمارے اندر غصے اور انتقام کے جذبات نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں، اللہ کا محبوب بنانے والے اس عمل کو شاید ہم کمزوری کی علامت یا اپنی شان و شوکت کے خلاف سمجھتی ہیں! کیا عفو و درگزر کی عظمت کو سمجھنے کے لیے یہی دلیل کافی نہیں کہ ہماری ہزاروں خطاؤں کے باوجود وہ بے نیاز رب کریم ہمیں معاف فرما دیتا ہے! وہ رب ہو کر ہمارے بڑے بڑے جرموں کو معاف کر دے مگر ہم بندیاں ہو کر لوگوں کے چھوٹے چھوٹے قصور پر ان کی پکڑ کریں یہ مناسب نہیں۔ لہٰذا جو چاہتی ہے کہ اللہ پاک اس کو اپنا قرب عطا فرمائے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کی مخلوق کے ساتھ نرمی اور عفو و درگزر کو اپنی عادت بنالے۔ یاد رہے! کسی مسلمان سے غلطی ہو جانے پر اُسے معاف کرنا اگرچہ نفس پر نہایت دشوار ہے، لیکن اگر ہم عَفْو و دَرگُزر کے فضائل کو پیشِ نظر رکھیں تو اللہ پاک کی طرف سے اِنعام و اِکرام کی حق دار قرار پائیں گی۔ معاف کرنے کا ذہن بنانے کے لیے عفو و درگزر کے فضائل پر مشتمل چند احادیثِ طیبہ پڑھئے:

- تین باتیں جس میں ہوں گی اللہ پاک اس کا حساب بہت آسان طریقے سے لے گا اور اس کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائے گا: (1) جو تمہیں محروم کرے تم اسے عطا کرو۔ (2) جو تم سے تعلق توڑے تم اس سے جوڑو۔ (3) جو تم پر ظلم کرے تم اس کو معاف کر دو۔[2]
- جو کسی مسلمان کی غلطی کو مُعاف کرے گا قیامت کے دن اللہ پاک اُس کی غلطی کو مُعاف فرمائے گا۔[3]
- حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے عرض کی: اے اللہ پاک! تیرے نزدیک کون سا بندہ زیادہ عزت والا ہے؟ فرمایا: وہ جو بدلہ لینے کی قدرت کے باوُجود مُعاف کر دے۔[4]
- قِیامت کے روز اعلان کیا جائے گا: جس کا اجر اللہ کے ذِمّۂ کرم پر ہے، وہ اُٹھے اور جنت میں داخل ہو جائے۔ پوچھا جائے گا: کس کے لیے اجر ہے؟ وہ اعلان کرنے والا کہے گا: ان لوگوں کے لیے جو مُعاف کرنے والے ہیں۔ تو ہزاروں آدمی کھڑے ہوں گے اور بغیر حساب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔[5]

اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے صرف ہمیں عفو و درگزر کی ترغیب و تعلیم ہی ارشاد نہیں فرمائی بلکہ عملی

طور پر آپ کی ذاتِ بابرکات بھی اس اچھی عادت کا مظہر تھی اور آپ نے پوری زندگی عفو و درگزر سے کام لیا۔ چنانچہ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے کسی سے اپنی ذات کے لئے کبھی بھی بدلہ نہ لیا بلکہ آپ زیادتی کرنے والوں کے عمل پر بردباری اور صبر کا مظاہرہ کرتے اور درگزر سے کام لیتے، یہاں تک کہ جان کے دشمنوں کو بھی معاف کر دیا کرتے تھے۔ ترغیب کے لئے یہاں چار مختصر مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

- ❖ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر لبید بن اعصم یہودی نے جادو کیا تو اس کے متعلق معلوم ہو جانے کے باوجود بھی آپ نے اسے کوئی سزا نہ دی۔[6]
- ❖ آپ کو یہودی عورت زینب نے گوشت میں زہر ملا کر کھلا دیا تو اپنی ذات کی وجہ سے اس سے کوئی بدلہ نہ لیا، البتہ جب اس زہر کے اثر سے ایک صحابی انتقال فرما گئے تو اس عورت کو ان کے ورثا کے حوالے کر دیا۔[7]
- ❖ آپ کو غورث بن حارث نے شہید کرنے کی کوشش کی تو آپ نے اس پر غالب آجانے کے باوجود اسے معاف کر دیا۔[8]
- ❖ کفارِ مکہ نے وہ کون سا ظالمانہ برتاؤ تھا جو آپ کے ساتھ نہ کیا ہو لیکن فتحِ مکہ کے دن جب یہ سب ظلم کرنے والے مہاجرین و اَنصار کے لشکروں کی قید میں مجبور ہو کر حرمِ کعبہ میں خوف سے کانپ رہے تھے اور انتقام کے ڈر سے ان کے جسم کا رُواں رُواں لرز رہا تھا تو رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ان مجرموں کو یہ فرما کر چھوڑ دیا کہ جاؤ! آج تمہاری کوئی پکڑ نہیں، تم سب آزاد ہو۔[9]

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سیرتِ طیبہ اسٹڈی کی جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ کی پوری زندگی صبر، حِلم اور عَفْو و درگُزر کی بے شمار مثالوں سے آراستہ دکھائی دے گی۔ چنانچہ ہمیں بھی اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی اس ادا پر عمل کرنا چاہئے، مگر افسوس! ہم بھول جاتی ہیں کہ شیطان ہمارا اَزَلی دشمن ہے، اُسے ہرگز یہ گوارا نہیں کہ ہم آپس میں مُتَّحِد رہیں، ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں، ایک دوسرے کی عزّت و ناموس کی مُحافظ بنیں، ایک دوسرے کی غَلَطیوں کو نظر انداز کریں، اپنے اندر برداشت کا مادہ پیدا کریں، اپنے حُقوق مُعاف کر دیا کریں، دوسرے کے حُقوق کا لحاظ رکھیں، ایک دوسرے کے ساتھ تعاوُن کریں وغیرہ، کیونکہ اگر ایسا ہو گیا تو مُعاشَرہ اَمْن کا گہوارہ بن جائے گا اور شیطان ناکام و نامراد ہو جائے گا۔ اِس لئے وہ مسلمانوں کو مُعاف کرنے اور غُصّے پر قابو پانے نہیں دیتا، لہٰذا شیطان کی مُخالَفَت کرتے ہوئے اُس کے وار کو ناکام بنا دیجئے اور عفو و دَرگُزر کو اختیار کیجئے۔

معاف کرنے کے فوائد عفو و درگزر کے دینی و دنیوی، اخلاقی و معاشرتی بے شمار فوائد ہیں، مثلاً ☆ معاف کرنا بہترین اخلاق میں سے ہے، جیسا کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: مومن کا سب سے افضل واعلیٰ اخلاق معاف کرنا ہے۔[10] ☆ درگزر کرنا کمالِ ایمان اور حسنِ اسلام کی دلیل ہے۔ ☆ معاف کرنا انسان کے اعلیٰ ظرف اور خوش گمان ہونے کی علامت ہے۔ ☆ یہ اللہ پاک کی مقرب بندی بنا دینے والا عمل ہے۔ اللہ کریم ہمیں اخلاص کے ساتھ دوسروں کو معاف کرنے والا بنائے۔

اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

---

(1) مسند امام احمد، 7/71، حدیث:19264 (2) معجم اوسط، 4/18، حدیث:5064 (3) ابن ماجہ، 3/36، حدیث:2199 (4) شعب الایمان، 6/319، حدیث:8327 (5) معجم اوسط، 1/542، حدیث:1998 (6) الشفاء، 1/107 (7) طبقات ابن سعد، 2/155 (8) الشفاء، 1/107 (9) مواہب لدنیہ، 1/319 (10) الزھد لابن مبارک، ص244، رقم:700

انتقام لینا

اُمِّ انس عطاریہ
رکن انٹرنیشنل افیئرز ڈیپارٹمنٹ

اسلامی تعلیمات کی خوبصورتی یہ ہے کہ ہمارا دین ہمیں زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی عطا فرماتا ہے، چنانچہ ایسے ہی ایک موقع پر جب ہمیں کسی کی طرف سے ذلت و رسوائی یا ناکامی و نامرادی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو ہمارے غضب کی آگ بھڑک اٹھتی ہے، لہٰذا ہمارے دین نے ہمیں اس حالت میں یہ سکھایا ہے کہ ہم اپنی اس کیفیت پر قابو پائیں، جب بھی ہمیں موقع ملے تو معاف کر دیں اور بدلہ لیں نہ اس معاملے میں کسی کی مدد کریں۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۪ (پ6، المائدۃ:2) ترجمہ: اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو۔ اس آیت کی تفسیر میں قاضی ثناءُ اللہ پانی پتی رحمۃُ اللہِ علیہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں: یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ پاک نے جن چیزوں اور باتوں سے منع فرمایا ہے، نہ ان پر عمل کرو اور نہ دلی سکون پانے کے لیے کسی سے انتقام لے کر اس پر ظلم کرو۔[1] مگر افسوس! دینی شعور نہ ہونے کی وجہ سے بسا اوقات ہمارے انتقام کی آگ پھیل کر پورے خاندان اور قبیلے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے یہاں تک کہ بدلے و انتقام کے نام پر ایک ہی خاندان کے کئی افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

بلاشبہ انتقام ایک ایسی آگ ہے جس کے شعلے صرف ایک خاندان کو ہی نہیں، بلکہ پورے معاشرے کے امن و سکون کو جلا کر خاک کر دیتے ہیں۔ اگر ہم اپنے آس پاس کا جائزہ لیں تو ملکی، علاقائی یا گھریلو سطح پر ایسی بہت سی خرابیاں اور رنجشیں نظر آئیں گی وہ انتقام کے گرد گھومتی ہیں۔ ہم اپنی ذات کے معاملے میں اس قدر خود غرض ہو چکی ہیں کہ ذرا سا کسی نے ہمارا نقصان کر دیا یا ہماری عزتِ نفس مجروح کر دی تو معاف کرنے کے بجائے انتقام لینے پر تُل جاتی ہیں، مثلاً ☆ فلاں نے میری بیٹی کی شادی میں ایسا ایسا، اگر میں نے بھی اس کی زندگی اجیرن نہ کر دی تو کہنا! ☆ میں اپنی بیٹی کا رشتہ فلاں جگہ پر کرنا چاہ رہی تھی مگر خود کی بیٹی کو آگے کر دیا اب دکھائے ذرا دوسری بیٹی کی شادی کر کے! ☆ اسی طرح اکثر گھروں میں ساس بہو اور نند بھابھیوں کی آپس میں ٹھنی رہتی ہے، شادی کے بعد شروع کے دنوں میں بہو مظلوم ہوتی ہے، مگر جب اسے موقع ملتا ہے اور ساس بڑھاپے میں بستر پر لگ جاتی ہے اور بہو کے رحم و کرم پر ہو تو وہ اسے اس کی زیادتیاں یاد دلا کر خوب جلی کٹی سناتی اور اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتی ہے، نیز نند سے انتقام لینے کے لیے اپنے شوہر کے دل میں ایسی نفرت پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ پھر کبھی اس کی نند گھر میں پاؤں بھی نہیں رکھ پاتی۔

یاد رکھیے! انتقام اگر لوگوں کو اللہ کی حدود اور اس کی منع کردہ چیزوں سے باز رکھنے اور شرعی سزاؤں کو نافذ کرنے کے لیے ہو تو اچھا ہے اور اگر اس کا تعلق محض اپنی ذات سے ہو تو بُرا ہے۔ تاہم شریعت نے ظالم سے بدلہ لینے کی بھی اجازت دی ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے: وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓىٕكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍؕ (پ25، الشوریٰ:41) ترجمہ: اور بے شک جس نے اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا بدلہ لیا ان کی پکڑ کی کوئی راہ نہیں۔ یعنی جنہوں نے ظالم کے ظلم کے بعد اس سے اپنی مظلومی کا بدلہ لیا ان پر کوئی سزا نہیں کیونکہ انہوں نے وہ کام کیا ہے جو ان کے

لئے جائز تھا۔[2] نیز مظلوم کا ظالم سے بدلہ لینا ظلم نہیں اور نہ ہی اس پر سزا ہے، البتہ جن ظلموں کی سزا دینے کا اختیار صرف حاکمِ اسلام کے پاس ہے ان کی سزا کوئی اور از خود نہیں دے سکتا۔ جیسے قاتل سے قصاص لینا وغیرہ۔[3]

یہ بھی یاد رہے کہ ہمیں اپنی ذات کے لئے بدلہ لینے کی جو اجازت دی گئی ہے اس میں بھی حد سے نہ بڑھا جائے۔ جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے: فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ۪ (پ2، البقرۃ:194) ترجمہ: تو جو تم پر زیادتی کرے اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہو۔

مگر افسوس! ہم غصے اور انتقام کی آگ میں اس قدر اندھی ہو جاتی ہیں کہ تھپڑ کا جواب گھونسوں سے اور لاتوں کا جواب لاٹھی سے دیتی ہیں، اگر کسی سے بدلہ نہیں لے سکتیں تو اس کی خوب غیبتیں کرتی اور الزامات لگا کر گناہ گار ہوتی ہیں۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ہم بدلہ نہ لیں اور معاف کر دیں کہ اسی میں عافیت ہے۔ کسی عقل مند کی بڑی خوبصورت بات ہے کہ معاف کرنے کا مزہ بدلہ لینے کی لذت سے زیادہ پاکیزہ ہے، کیونکہ معاف کرنے کا انجام اچھا اور قابلِ تعریف ہوتا ہے جبکہ انتقام کا انجام شرمندگی ہوتی ہے۔ بدلہ لینے سے متعلق اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی یہ بات یاد رکھئے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کی وجہ سے کسی سے انتقام نہ لیا۔[4] اسی ادا کو ہمارے بزرگوں نے بھی اپنایا ہے، چنانچہ

امیر المومنین مولا علی رضی اللہ عنہ نے کسی کافر کو پچھاڑا اور قتل کرنے کے لیے اس کے سینے پر بیٹھ گئے تو اس نے آپ پر تھوک دیا، آپ نے اسے چھوڑ دیا اور اس کے سینے سے اتر گئے۔ وجہ پوچھی تو فرمایا: پہلے میں تجھے رضائے الٰہی کے لیے قتل کر رہا تھا، جب تو نے مجھ پر تھوک دیا تو میرے نفس کو غصہ آیا، اب مجھے خوف ہے کہ تجھے قتل کرنا کہیں اپنی ذات کے انتقام کے لیے نہ ہو! یہ سن کر وہ مسلمان ہو گیا۔[5]

انتقام لینے کے نقصانات انتقام لینا اللہ کی ناراضی کا سبب، کم ظرفی و تنگ نظری کی علامت اور ظلم کے قریب ہے۔ اس سے بغض و کینہ اور حسد پیدا ہوتا ہے۔ جو انتقام لینے کی عادی ہو تو اسے بھی ویسے ہی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے: جب تو کمزور سے انتقام لیتا ہو تو اس سے بے خوف نہ رہنا کہ طاقتور تجھ سے انتقام لیں۔ وہ ایسے آسمان کی طرح ہوتا ہے جو بادلوں سے بھرا ہو تو اس کے صاف ہونے کی امید نہ ہو اور جب قادر ہو تو اس سے درگزر کی توقع نہ رکھی جائے۔ چھوٹے سے چھوٹا جرم اس کو غصہ دلا دے اور بڑی سے بڑی معذرت بھی اسے راضی نہ کرے۔ وہ لوگوں کے قصور کو تیر کے سائے سے بھی زیادہ باریکی سے دیکھتا ہے، صحیح اور واضح معذرتوں سے اندھا ہوتا ہے۔ وہ ایک کان سے بہتان تو سن لیتا ہے مگر دوسرے کان سے اعذار اور دلائل و وضاحت سننے سے قاصر ہوتا ہے۔ ایک ہاتھ سے ظلم و زیادتی کو تو پکڑ سکتا ہے مگر دوسرے سے بُردباری نہیں پکڑ سکتا۔

انتقام کا جذبہ ختم کیسے کیا جائے؟ اس کے لیے ان تجاویز پر عمل کرنے سے ان شاءاللہ فائدہ ہوگا: ☆ انتقام لینے سے پہلے یہ سوچ لیجئے کہ کہیں انتقام لینا اس کے ظلم سے زیادہ نہ ہو جائے! ☆ اپنے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی اپنی ذات کے لئے بدلہ نہ لینے والی عادت اپنائیے۔ ☆ دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ جس کے لیے دل میں انتقام کا جذبہ پیدا ہو اس کو معاف کرنے کے بعد اس کے لیے دعا کیجئے، دل سے کینہ بھی نکل جائے گا اور دلی سکون بھی ملے گا ان شاءاللہ۔ اللہ پاک ہم سب کو اپنی ذات کے لیے بدلہ لینے سے محفوظ فرمائے اور انتقام کا جذبہ ہمارے سینوں سے ختم فرمائے۔ اے کاش! ہمارے اندر عفو و درگزر کی عادت پیدا ہو جائے۔ اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم

1 تفسیر مظہری، 3/48 2 تفسیر روح البیان، 8/336 3 تفسیر صراط الجنان، 9/86 4 بخاری، 2/489، حدیث: 3560 5 مرقاۃ المفاتیح، 7/12، تحت الحدیث: 3451

اہم نوٹ: ان صفحات میں ماہنامہ خواتین کے بیسویں تحریری مقابلے میں موصول ہونے والے 233 مضامین کی تفصیل یہ ہے:

عنوان	تعداد	عنوان	تعداد	عنوان	تعداد
حضور کی شرم وحیا	55	عفوو درگزر	102	بیوی کے 5 حقوق	76

مضمون بھیجنے والیوں کے نام

بہاولپور: یزمان: بنت قاسم حسین، بنت محمد عبدُ اللہ، بنت عبد الحمید، بنت محمد افضل۔ **بھلوال:** بنت مقصود انور۔ **راولپنڈی: صدر:** بنت شکیل، بنت ریاض۔ **گوجر خان:** بنت راجہ واجد حسین۔ **واہ کینٹ: گلشن کالونی:** بنت محمد سلطان، بنت عبد الخالق۔ **رحیم یار خان: رحمت کالونی:** بنت حسین، ہمشیرہ محمد مدنی، بنت محمد رمضان۔ **فیروزہ:** بنت صلاح الدین۔ **سیالکوٹ:** بنت نذیر احمد۔ **اگوکی:** بنت الیاس، بنت سرور، بنت محمد ندیم مغل، بنت احسان اللہ، بنت ارشد، بنت محمد ثاقب۔ **پاکپورہ:** بنت محمد نواز، بنت میاں محمد یوسف قمر، بنت سید ابرار حسین۔ **تکواڑہ مغلاں:** بنت ادریس بیگ، بنت طارق، بنت محمد یسین، بنت مظفر، بنت عبد الوحید خان، بنت ناہید، بنت ریاض، بنت محمد انور۔ **چوک عالم:** بنت محمد یونس۔ **ستراہ:** بنت محمد اعجاز۔ **شفیع کا بھٹہ:** بنت عبد القادر، بنت محمد یوسف، اخت حمزہ، اخت علی ملک، بنت امیر احمد، بنت بابر، بنت خلیل احمد، بنت خوشی محمد، بنت سلیمان، بنت شمس، بنت صابر حسین، بنت طاہر، بنت عرفان، بنت محمد ارشد، بنت ندیم، بنت اصغر، بنت عبد المجید، بنت کاشف شیراز، بنت اعجاز احمد، بنت افتخار، بنت انتظار حسین، بنت اویس، بنت راشد محمود، بنت رزاق بٹ، بنت سعید، بنت سہیل احمد، بنت صفدر، بنت عارف محمود، بنت محمد بوٹا، بنت محمد سلیم، بنت محمد عارف، بنت محمود حسین بٹ، بنت نعیم، بنت نوید احمد، بنت یوسف، بنت عثمان علی، ہمشیرہ دانیال، بنت سلیم، بنت محمد احسن، بنت اشرف، بنت اشفاق احمد، بنت امجد پرویز، بنت امجد فاروق، بنت اورنگزیب، بنت بشیر احمد، بنت حاجی محمد یوسف، بنت خالد پرویز، بنت خوشی محمد، بنت رضاء الحق باجوہ، بنت بشیر، بنت شوکت علی، بنت صغیر احمد، بنت طارق محمود، بنت عارف مغل، بنت عبد الماجد، بنت فضل الٰہی، بنت محمد اصغر مغل، بنت محمد جان، بنت محمد جہانگیر، بنت محمد خالد، بنت محمد شفیق، بنت محمد شہباز، بنت محمد وسیم، بنت ناہید اسلم، بنت ہمایوں پرویز، ہمشیرہ قدوس۔ **گلبہار:** اخت سلطان، ام فرح، ام ہلال، بنت اشرف، بنت سجاد حسین مدنیہ، بنت طارق محمود، بنت ظہور الٰہی، بنت محمد شہباز، ام حسان، بنت اشفاق، بنت امانت علی، بنت حاجی شہباز، بنت رشید احمد، بنت رمضان۔ **معراجکے:** بنت افضل، بنت محمد شفیق، بنت سلیم، بنت محمود، بنت ضیاء افضل، بنت منیر حسین۔ **مظفر پورہ:** بلبل مدینہ، بنت محمد طارق، عطر مدینہ، بنت ارشد علی، بنت خلیل احمد، بنت محمد شہباز، بنت محمد نواز۔ **نواں پنڈ آرائیاں:** بنت ظفر اسلام۔ **نند پور:** بنت شہزاد کامل، بنت عبد الستار مدنیہ، بنت شمس دین، بنت خالد محمود، بنت رمضان احمد، بنت محمد ایوب، بنت محمد صدیق، بنت محمد عارف۔ **ناصر روڈ:** بنت حافظ محمد جمیل، بنت محمد امین، بنت محمد یونس، بنت بشارت علی، بنت عامر، بنت عمران، بنت آصف، بنت عمران عاطف سہیل، بنت محمد بشیر، بنت ندیم شہزاد، بنت نصیر احمد۔ **فیصل آباد:** بنت طیب رسول مدنیہ، بنت طیب۔ **جمبرہ ٹی:** بنت شبیر حسین، بنت محمد انور۔ **چباں:** بنت ارشد محمود۔ **کراچی:** بنت محمد عرفان، بنت محمد شاہد، بنت محمد صابر۔ **کورنگی:** بنت گل حسن۔ **دھوراجی:** بنت محمد الیاس، بنت شہزاد احمد، بنت محمد عدنان۔ **سعید آباد:** بنت محمد شاہد، بنت مظہر حسین۔ **نارتھ کراچی:** بنت سراج، بنت انوار احمد، بنت رشید احمد، بنت نواب

احمد، بنت فہیم کھتری، بنت محمد معراج الدین، بنت طاہر احمد، بنت محمد شاہد، بنت محمد یوسف، بنت طفیل الرحمان ہاشمی، بنت ایس ایم ناظم الحق، بنت یوسف شاہ، بنت الحاج محمود اسلام، بنت عبد السلام، بنت محمد اعجاز جمالی، بنت محمد قاسم، بنت یسین، بنت محمود شاہ، بنت محمد یوسف، بنت منظور الٰہی۔ **گلشن اقبال:** بنت رجب علی۔ **کلفٹن:** بنت جمیل۔ **گلستان جوہر:** بنت نذر۔ **اورنگی ٹاؤن:** بنت قاری محمد امین۔ **گجرات: کنگرالی:** بنت محمد تقی۔ **سراجا منیرا:** بنت خالد محمود۔ **کنگ سہالی:** بنت ارشد منیر احمد، بنت محمد اسلم، بنت محمد آصف، بنت محمد افضل، بنت ممتاز احمد، بنت اللہ رکھا۔ **گوجرانوالہ: نوشہرہ روڈ:** بنت محمد عاشق حسین، بنت طارق جاوید خان۔ **لالہ موسیٰ:** بنت صفدر۔ **کوٹ غلام محمد:** بنت افتخار احمد۔ **لاہور چرڑ ڈیفنس:** بنت محمد عارف۔ **سکھ نہر:** بنت محمد جہانگیر، بنت سید ندیم علی۔ **مغل پورہ:** بنت سلمان۔ **بورے والہ:** بنت عبد الرحمن مدنیہ۔ **سرائے عالمگیر:** بنت نواز بیگ، بنت عبد الرزاق، بنت عبد الرحمن۔ **حیدر آباد:** بنت محمد جاوید۔ **جلال پور جٹاں:** بنت محمد مجید۔ **خوشاب: وادی سون اوچھالی:** بنت محبوب عالم۔ **قائد آباد:** بنت اکرام اللہ۔ **سرگودھا:** بنت عمر دراز مدنیہ۔

بیوی کے 5 حقوق

بنتِ محمد ارشد (درجہ: خامسہ، جامعۃُ المدینہ گرلز شفیع کا بھٹہ سیالکوٹ)

اسلام سے پہلے عورتوں کو کم تر سمجھا جاتا تھا، جب اسلام آیا تو اسلام میں جہاں والدین، پڑوسیوں، رشتہ داروں اور دیگر افراد کے حقوق بیان ہوئے وہیں بیوی کے حقوق بھی بیان فرمائے گئے ہیں، چنانچہ قرآن و حدیث میں بیان کئے گئے بیوی کے حقوق میں سے 5 حقوق یہ ہیں:

(1) نان و نفقہ بیوی کے کھانے پینے وغیرہ ضروریاتِ زندگی کا انتظام کرنا شوہر پر واجب ہے۔ اللہ پاک ارشاد ہوتا ہے: وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِؕ (پ2، البقرۃ:233) ترجمہ: اور بچے کے باپ پر رواج کے مطابق عورتوں کے کھانے اور پہننے کی ذمہ داری ہے۔

حُضورِ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے پوچھا گیا: یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم! بیوی کے ہم پر کیا حقوق ہیں؟ ارشاد فرمایا: جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، پہنو تو اسے بھی پہناؤ، چہرے پر نہ مارو، اسے بُرا نہ کہو اور اسے گھر سے باہر مت چھوڑو۔[1]

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃُ اللہِ علیہ لکھتے ہیں: اپنی بیوی کو اپنی حیثیت کے لائق کھلاؤ، پہناؤ اور جب خود کھاؤ پہنو تب ہی اسے کھلاؤ پہناؤ، اگر اپنے لیے دو جوڑے بناؤ تو اس کے لیے بھی بناؤ، پہناؤ میں لباس جوتا وغیرہ سب داخل ہیں۔ زیور اپنی مرضی پر ہے، اس کا پہنانا بھی سنّت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اپنی زوجہ مُطَهَّرَہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہار عطا فرمایا تھا۔[2]

(2) سُکنیٰ بیوی کی رہائش کے لئے مکان کا انتظام کرنا بھی شوہر پر واجب ہے۔ مکان سے مراد علیحدہ گھر دینا نہیں، بلکہ ایسا کمرہ ہے جس میں عورت خود مختار ہو کر زندگی گزار سکے، کسی اور کی مداخلت نہ ہو، ایسا کمرہ فراہم کرنے سے بھی یہ واجب ادا ہو جائے گا۔ اللہ پاک کا فرمان ہے: اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّؕ (پ28، الطلاق:6) ترجمہ: عورتوں کو وہاں رکھو جہاں خود رہتے ہو اپنی گنجائش کے مطابق اور انہیں تکلیف نہ دو کہ ان پر تنگی کرو۔

(3) مہر ادا کرنا بیوی کا مہر ادا کرنا بھی بیوی کا حق ہے اور شوہر پر واجب ہے، چنانچہ اللہ پاک نے عورتوں کو مہر دینے کے متعلق ارشاد فرمایا: وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةًؕ (پ4، النسآء:4) ترجمہ: اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو۔

(4) نیکی کی تلقین، بُرائی سے ممانعت شوہر پر بیوی کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اسے نیکی کی تلقین کرتا رہے اور بُرائی سے منع کرے، یہی قرآنی حکم ہے، چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ (پ28، التحریم:6) ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

(5) حُسنِ معاشرت ہر معاملے میں بیوی سے اچھا سلوک رکھنا بھی ضروری ہے، اس سے محبت میں اضافہ ہو گا اور گھر امن کا گہوارہ بنا رہے گا۔ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِۚ (پ4، النسآء:19) ترجمہ: اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے گزر بسر کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں اچھے وہ لوگ ہیں جو عورتوں سے اچھی طرح پیش آئیں۔[3]

---

1. ابوداود، 2/356، حدیث:2142
2. مراٰۃ المناجیح، 5/99
3. ابن ماجہ، 2/478، حدیث:1978

ڈاکٹر زیرک عطاری*
*ماہر نفسیات، U.K.

PROCRASTINATION پروکریسٹی نیشن

پروکریسٹی نیشن (پرو-کریس-ٹی-نیشن، Procrastination) انگریزی زبان کا بڑا ہی مشکل اور عُرفِ عام میں بہت ہی کم استعمال ہونے والا لفظ ہے۔ جس طرح اس کی ادائیگی زبان پر بھاری ہے کچھ ایسے ہی اس کا مفہوم بھی ہماری طبیعت پر گراں ہے۔ لغت میں اس کا معنی تاخیر کرنا ہے۔ اس مضمون کے اعتبار سے Procrastination کا مطلب ہے روز مرّہ کے محنت طلب کاموں میں تاخیر کرنا۔ یعنی کہ سستی اور کاہلی۔ ابھی نہیں بعد میں۔ آج نہیں کل۔ ابھی تو پورا ہفتہ پڑا ہے۔ ابھی تو پوری زندگی باقی ہے۔ کرلیں گے بعد میں۔

چھوٹا ہو یا بڑا، غریب ہو یا امیر، تعلیم کا میدان ہو یا کھیل کُود، لوگوں کی خدمت ہو یا عبادتِ الٰہی، معاشرے کے نامعلوم افراد سے لے کر جانی پہچانی شخصیات تک کم و بیش سب ہی سُستی کا کسی نہ کسی حد تک شکار ہیں۔ کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ سستی سے بچا ہوا ہے۔ سُستی دنیاوی معاملات میں بھی ہمارا نقصان کرتی ہے اور اس سے ہماری آخرت بھی داؤ پر لگ جاتی ہے۔ فرائض و واجبات میں سستی رب کی ناراضی کا سبب ہے۔ نوافل و مستحبات میں سستی آخرت میں اعلیٰ درجات سے محرومی کا سبب بن سکتی ہے۔

سستی کی وجہ سے والدین اور اولاد کا تعلق خراب ہو جاتا ہے۔ سستی کی وجہ سے زوجین میں تلخ کلامی رہتی ہے۔ بہن بھائی بھی ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ سیٹھ اور ملازم میں بات بگڑ جاتی ہے۔ الغرض سستی کا زندگی کے ہر شعبے میں ایک گہرا اثر ہے اور اس کا انجام بھیانک ہے۔

سستی ایک اختیاری فعل ہے۔ یعنی ہم جان بوجھ کر سستی کرتے ہیں۔ جس چیز کا اتنا نقصان ہے پھر بھی ہم اس سے جان کیوں نہیں چُھڑا پاتے؟ اس سوال کا جواب تب تک سمجھ نہیں آسکتا جب تک ہم سستی کی نفسیات کو نہیں سمجھ پاتے۔ آپ ہو سکتا ہے کہ حیران ہوں کہ سستی کی کیا نفسیات ہے؟ ہر بات میں آپ کھینچ تان کر نفسیات کو لے آتے ہیں؟ نفس ہے تو نفسیات بھی ساتھ ہے۔ چلیں آئیں سستی کی نفسیات کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

انسان کی فطرت میں حرص اور لالچ کا اہم کردار ہے۔ جن کاموں کے کرنے سے ہمیں لطف ملے، لذت ملے، خوشی حاصل ہو، کوئی تحفہ یا انعام ملے تو ہم وہ کام بار بار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کام کے لئے جتنی بھی محنت کرنی پڑے ہم کرتے ہیں۔ مثلاً چھوٹے بچے کو کہا جائے کہ آپ اللہ

بولو تو آپ کو بسکٹ ملے گا۔ تو شاید ہی کوئی ایسا بچہ ہو کہ جو اللہ نہ بولے۔ کیوں کہ بچے کو معلوم ہے کہ لفظ اللہ بولنے پر میٹھی چیز یعنی بسکٹ ملے گا اور میٹھا کھانے سے لذت ملتی ہے۔

اب جس کام کا انعام جتنا جلدی ملتا ہو اتنا ہی اس کام کے کرنے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً جس بچے کو والدین اچھا کام کرنے پر فوراً انعام دیتے ہیں تو وہ بچہ اچھی عادات جلد سیکھ جاتا ہے۔ شاید اسی لئے بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ہر نماز سے پہلے آپ کے مصلے کے نیچے شکر رکھ دیتی تھیں جو کہ نماز کے بعد آپ کو ملا کرتی تھی۔ ویسے اللہ والوں کے انداز نرالے ہوتے ہیں۔

اب اس کے برعکس اگر کسی بچے کو کہا جائے کہ آپ ہر دن سو بار اللہ بولیں اور ساتویں دن آپ کو بسکٹ کا پورا ایک پیکٹ دیا جائے گا تو کیا خیال ہے کہ بچہ اللہ بولنے کی عادت اپنائے گا؟ بہت مشکل بلکہ آپ کہیں گے کہ کسی حد تک ناممکن ہے۔

لیکن یہ کیا؟ بات سستی کی ہو رہی ہے اور ہمیں درس کام کرنے اور اس پر انعام ملنے کا دیا جا رہا ہے؟ جی ہاں! کیونکہ سُستی بھی ایک کام ہے جس کا انعام آپ کو ہاتھوں ہاتھ مل رہا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ سستی کو چاہتے ہوئے بھی نہیں چھوڑ پا رہے، ارے وہ کیسے جناب؟

وہ ایسے کہ روز مرّہ کے محنت طلب کام جن کا انعام ہمیں سالوں بعد یا پھر مرنے کے بعد ملنا ہے ہم ان کاموں کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ اور ان کی بجائے وہ لایعنی کام کر رہے ہیں جن سے ہمارے مَن کو فی الفور تسکین یا لذت مل رہی ہے۔ موبائل پر گھنٹوں گزر جاتے ہیں۔ گھنٹوں کیا پوری رات گزر جاتی ہے۔ کیوں کہ اس سے ہمیں ایک عجیب، پُرلطف تسکین ملتی ہے۔ اور وہ بھی فوراً۔ اس کے برعکس اگر یہی رات اللہ پاک کی عبادت میں گزاری جائے تو اس کا انعام کیوں کہ ہمیں نظر نہیں آتا یا ہماری عقل کے مطابق فوراً نہیں ملتا لہٰذا ہم عبادت کو بجا نہیں لاتے۔

امید ہے کہ آپ سستی کی نفسیات سمجھ گئے ہوں گے۔ اگر آپ کو یہاں تک کی گفتگو سمجھ آگئی ہے تو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگلی سطروں میں کیا لکھا جائے گا آپ کے ذہن میں اس کا خاکہ بھی بن رہا ہو گا۔

سستی چھوڑنی ہے تو ہمیں دُور رَس (Long term) انعامات پر فوکس کرنا ہو گا۔ بحیثیت طالب علم سالوں کی محنت کے بعد ملنے والی اچھی نوکری پر فوکس، بحیثیتِ بزنس مین کئی ناکامیوں کے بعد حاصل ہونے والی شاندار کامیابی پر فوکس اور سب سے ضروری بات بحیثیت مسلمان زندگی بھر اللہ پاک کی اطاعت کرنے پر آخرت میں جنت کی نعمتوں پر فوکس۔

تو پھر فی الفور انعام والی نفسیات کدھر گئی؟ وہ بھی ساتھ ہی ہے ورنہ نفس کو اچھے کاموں کا عادی بنانا بہت مشکل ہو جائے گا۔ جب نماز پڑھیں تو اپنے رب کے حضور سجدہ ریزی کی لذت کو محسوس کریں۔ جب تلاوتِ قرآن کریں تو کلامِ الٰہی کی حلاوت کا لطف اٹھائیں۔ جب درود پاک پڑھیں تو ذہن کو ملنے والے سکون پر فوکس کریں۔

الغرض لایعنی کاموں کے نقصانات پر فوکس کر کے اپنے مَن کو ان کاموں کے چھوڑنے پر راضی کریں۔ اچھے اور نیک کاموں کے جلد یا بدیر ملنے والے انعامات پر فوکس کر کے اپنے من کو ان کاموں کا عادی بنائیں۔ اس کے لئے علم دین سیکھنا اور اچھی صحبت کا ہونا لازم ہے۔

مضمون مزید طویل ہو سکتا تھا مگر اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ امید ہے آپ کو سستی کی نفسیات سمجھ آگئی ہو گی۔ آیئے مل کر دعا کرتے ہیں کہ اللہ پاک ہم سب کو سستی سے نجات عطا فرمائے۔ اٰمِیْن بِجَاہِ خَاتَمِ النَّبِیّٖن صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

اسلامی بہنوں کے 8 دینی کاموں کا اجمالی جائزہ

نیکی کی دعوت کو عام کرنے کے جذبے کے تحت اسلامی بہنوں کے دسمبر 2023 کے دینی کاموں کی چند جھلکیاں

دینی کام		اوورسیز کارکردگی	پاکستان کارکردگی	ٹوٹل
انفرادی کوشش کے ذریعے دینی ماحول سے وابستہ ہونے والی اسلامی بہنیں		298215	1011299	1309514
روزانہ گھر درس دینے / سننے والیاں		34070	95954	130024
مدرسۃ المدینہ (بالغات)	مدارس المدینہ کی تعداد	4606	8906	13512
	پڑھنے والیاں	34346	92102	126448
ہفتہ وار سنتوں بھرے اجتماع	تعداد اجتماعات	4977	10537	15514
	شرکائے اجتماع	150499	416234	566733
ہفتہ وار مدنی مذاکرہ سننے والیاں		34513	127409	161922
ہفتہ وار علاقائی دورہ (شرکائے علاقائی دورہ)		12063	30715	42778
ہفتہ وار رسالہ پڑھنے / سننے والیاں		135560	729380	864940
وصول ہونے والے نیک اعمال کے رسائل		37754	93396	131150
مدنی کورسز	تعداد مدنی کورسز	226	633	859
	شرکائے مدنی کورسز	4724	14401	19125

تحریری مقابلہ "ماہنامہ خواتین" کے عنوانات (برائے مئی 2024)

1. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں پر شفقت
2. عشقِ حقیقی
3. عام مسلمانوں کے 5 حقوق

مضمون بھیجنے کی آخری تاریخ: 20 فروری 2024ء

مزید تفصیلات کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں صرف اسلامی بہنیں: +923486422931

شعبہ رابطہ برائے شخصیات(خواتین)

دعوتِ اسلامی کے شعبہ جات میں سے ایک "شعبہ رابطہ برائے شخصیات (خواتین)" بھی ہے جس کا آغاز کم و بیش 15 سال پہلے ہوا۔اس شعبے کے تحت ملک و بیرونِ ملک میں مختلف دنیاوی Fields سے وابستہ معاشرے کی با اثر خواتین تک سنتوں کا پیغام پہنچ رہا ہے۔

شعبہ رابطہ برائے شخصیات (خواتین) کے کام میں مزید بہتری لانے کے لیے ماتحت شعبہ جات مثلاً شعبہ لیڈی وکلاء و ججز، تاجرات، اصلاح برائے کھلاڑیان اور اصلاح برائے فنکار بنائے گئے ہیں جن کے تحت دعوتِ اسلامی سے وابستہ خواتین شخصیات سے ملاقات کرکے انہیں بھی دین کی خدمت کے کاموں میں حصہ لینے اور اپنی دنیا و آخرت کی بھلائی کا سامان تیار کرنے کی ترغیب دلاتی ہیں۔

الحمدللہ شعبہ رابطہ برائے شخصیات (خواتین) کے تحت مختلف شعبہ جات میں مقرر ذمہ دار خواتین کے ذریعے نیکی کی دعوت عام کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ جن میں سے چند یہ ہیں: (1) سیاسی شعبہ (2) بیوروکریٹ محکمہ (3) پروفیشنل شعبہ (4) میڈیا ڈیپارٹمنٹ (5) محکمہ قانون اور ججز (6) کاروباری شعبہ (7) محکمہ کھیل (8) بیوٹیشن ڈیپارٹمنٹ (9) محکمہ سماجی کام (10) بینک ڈیپارٹمنٹ اور (11) محکمہ پولیس۔

شعبہ رابطہ برائے شخصیات (خواتین) کے تحت 12 ماہ میں کم و بیش 19 نئی شخصیات دعوتِ اسلامی سے وابستہ ہوئیں، جن کے ذریعے دفاتر، عدالتی اور سماجی اداروں، بیوٹی پارلرز وغیرہ میں سیشنز ہوئے، نیز مکتبۃ المدینہ کے کتب و رسائل کی تقسیم اور ماہنامہ فیضانِ مدینہ کی بکنگ کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ کم و بیش 1059 شخصیات نے اس ماہ دینی کاموں مثلاً ہفتہ وار سنتوں بھرا اجتماع، مدنی مذاکرہ، ہفتہ وار رسالہ پڑھنا اور تقسیمِ رسائل میں حصہ لیا۔

شعبہ رابطہ برائے شخصیات (خواتین) کی ان تمام کاوشوں کا بنیادی مقصد ایسی خواتین تک رسائی حاصل کرنا ہے جن کا دنیاوی طور پر معاشرے میں مقام ہے، جن کی ماتحتی میں ادارے کام کرتے ہیں تاکہ جب یہ خواتین نیکی کا راستہ اپنائیں تو ان سے وابستہ خواتین بھی نیکی، سنتوں اور تقویٰ و پرہیز گاری کی راہ پر آکر اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی رضا حاصل کرکے دوجہاں کی کامیابیاں سمیٹنے میں کامیاب ہو جائیں۔

فیضانِ مدینہ، محلہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی، کراچی
UAN: +92 21 111 25 26 92 Ext: 2650 / 1144
Email: mahnamakhawateen@dawateislami.net / ilmia@dawateislami.net
Web: www.dawateislami.net WhatsApp: 0348-6422931